محمد سعید صدیقی

تزکیہ نفس

محمد سعد صدیقی

ریسرچ آفیسر قائدِ اعظم لائبریری

دعوۃ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

مطبوعات نمبر ۲۱۲

موضوع ——— تزکیۂ نفس
مصنف ——— محمد سعد صدیقی
زیر نگرانی ——— محمد شاہد رفیع
مصدق ——— سید مبین الرحمٰن
طابع ——— ادارہ تحقیقات اسلامی پریس اسلام آباد
ناشر ——— دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
تاریخ اشاعت ——— جنوری ۱۹۹۳ء
تعداد ۲۰۰۰

پیش لفظ

اسلام اور امتِ مسلمہ کی اساس و بنیاد کسی رنگ، نسل، علاقے یا زبان پر نہیں بلکہ ایک نظریے اور پیغام پر ہے۔ جس امت کی بنیاد ہی کسی نظریہ پر ہوتی ہے اسے اپنی بقا کے لئے نظریہ کا تحفظ اسی طرح کرنا پڑتا ہے جس طرح ایک جاندار اپنی جان کی اور ایک ذی روح مخلوق اپنی روح کی حفاظت کرتی ہے کیونکہ جب تک نظریہ قائم اور زندہ رہے قوم باقی رہتی ہے اور جیسے ہی نظریہ کمزور پڑے قوم کی وحدت اور یک جہتی بھی ختم ہو جاتی ہے۔

اُمتِ مسلمہ کی بقا اور تحفظ کو یقینی بنانے کے لئے اسلام نے دعوت و تبلیغ کو ہر مسلمان کا فریضہ قرار دیا ہے اور ہر صاحب ایمان کی یہ ذمہ داری بتائی ہے کہ وہ اپنی سطح پر اپنے علم و فہم کے مطابق، اپنے حلقہ اثر کے اندر، اپنے مقدور بھر اسلام کا پیغام عام کرنے کی کوشش کرتا رہے۔ اگر ایک دائرہ میں یہ کوشش فرض عین کا درجہ رکھتی ہے تو دوسرے دائرہ میں فرض کفایہ ہو جاتی ہے مثلاً ہر شخص کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے اہلِ خانہ اور اہل و عیال کو دین کی ضروری تعلیم دلانے کا انتظام کرے اور کوشش کرے کہ وہ فرائض پر کاربند اور نواہی سے مجتنب رہیں۔ اس دائرہ سے باہر بالتدریج اس کی ذمہ داری میں دوسرے اہل ایمان شریک ہوتے جاتے ہیں حتیٰ کہ پوری انسانیت کی سطح پر یہ تمام اہل ایمان کی اجتماعی ذمہ داری بن جاتی ہے۔

قرآن مجید نے دعوت و تبلیغ کے مختلف پہلوؤں کو مختلف ناموں سے یاد کیا ہے تاکہ یہ
اہلِ ایمان کے ذہنوں میں تازہ رہیں ان اصطلاحی الفاظ میں امر بالمعروف نہی عن المنکر
حق اور تواصی بالصبر خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلہ میں
بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ قرآن پاک نے اس فریضہ کو افراد کی ذمہ داری بھی قرار دیا ہے (توبہ: ۱۱۲)
۱۷) مختلف گروہوں اور جماعتوں کی بھی (آل عمران: ۱۰۴) پوری امتِ مسلمہ کی بھی (آل عمران:
۱۱ اسلامی ریاست کی بھی (الحج: ۴۱) ظاہر ہے کہ یہ ذمہ داری کی مختلف سطحیں اور مدارج ہیں
سطح اور ہر درجہ پر ریاست اس فریضہ کو انجام دے گی اور جس سطح پر اس کی ادائیگی کا مطالبہ
حکومت سے کیا جائے گا اس سطح پر اس فریضہ کی انجام دہی کی توقع کسی فرد سے نہیں
ی د ی۔

قرآن پاک نے جہاں اس کام کی فرضیت بیان فرمائی ہے وہیں اس کی ادائیگی کا اسلوب
اور طریقہ کار بھی بتا دیا ہے۔ قرآن مجید میں دعوت و تبلیغ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے ایسے
بنیادی اصول بیان کئے گئے ہیں جن کو پیش نظر رکھ کر ہر قوم، ہر زمانہ اور ہر علاقہ میں دعوت و تبلیغ کا
ایک جامع اور مؤثر پروگرام وضع کیا جا سکتا ہے۔ یوں تو قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر ان اصولوں
کی رہنمائی کی گئی ہے لیکن خاص طور پر سورہ حجر کی آخری آیات سورہ نحل کی آخری آیات سورہ حم السجدہ
کی آیات ۳۰ تا ۳۶ اس سلسلہ میں قابل غور ہیں۔

دعوت کے بنیادی اصول "کلموا الناس علی قدر عقولہم" (یعنی لوگوں سے ان کے
عقل و فکری معیار کے لحاظ سے گفتگو کرو) کو اپنے سامنے رکھتے ہوئے اکیڈمی نے ڈاکٹروں، طبیبوں،
قانون دانوں، اساتذہ کرام، داعیان دین، ارباب صحافت، ادیبوں، دانشوروں، عمال حکومت، علمائے کرام،
تعلیم یافتہ افراد، کم پڑھے لکھے لوگ، مریضوں، نوجوانوں، بچوں، خواتین، اہل تجارت و معیشت، مجاہدین ملت،
طلبا، طالبات، جیل کا عملہ، قیدی، غیر مسلموں، نو مسلموں، جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں غرض ہر شعبہ زندگی سے تعلق

دیکھنے والے ہر طرح کے افراد کے لئے الگ الگ لٹریچر تیار کرنے کا پروگرام بنایا ہے [illegible] بیت [illegible] ی
کا یہ دعوتی لٹریچر فی الحال اردو اور انگریزی کے علاوہ سندھی، پشتو، فارسی، روسی، ہسپا [illegible] جا [illegible] نی
جرمن، ترکی، بنگلہ اور پرتگیس وغیرہ زبانوں میں تیار کیا جارہا ہے اور مزید زبانوں میں [illegible] ری کا
پروگرام ہے۔

زیر نظر کتابچہ بھی اکیڈمی کی مطبوعات کی اسی اسکیم کا ایک حصہ ہے۔ دعا ہے کہ [illegible] تعالیٰ
ہمارے قارئین کو اس کتابچے سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ قا [illegible] کرم
سے گذارش ہے کہ اس کتابچہ اور اس کے پیغام کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک [illegible] نے میں
ہماری مدد فرمائیں۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی
ڈائریکٹر جنرل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام
علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین ، اما بعد
فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ [1]
صدق اللہ العظیم ۝

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مبین کی ان آیات میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کی اس دعا کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت فرمائی تھی، کہ اے ہمارے پروردگار! ان اہل عرب میں انہی میں سے ایک ایسا رسول مبعوث فرما کہ جو ان پر تیری آیات تلاوت کرے، ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کے نفوس کا تزکیہ کرے یعنی انہیں ہر عیب، اخلاقی، ذہنی اور معاشرتی پراگندگی اور ناپاک عقائد و نظریات کی نجاست سے پاک کرے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ اس کی دعا میں نبی کریم کی بعثت کے تین مقاصد ذکر کئے گئے ہیں:

۱۔ تلاوت آیات اللہ۔
۲۔ تعلیم کتاب و حکمت۔

۳۔ تزکیہ نفوس۔

ذرا غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ مقصد رسالت و بعثت دراصل تزکیہ نفوس ہے تلاوت آیات اللہ اور تعلیم کتاب و حکمت اس کے لئے ذریعہ اور راستہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بالفاظ دیگر بعثت رسول، تلاوت آیات اللہ اور تعلیم کتاب و حکمت کا مقصد تزکیہ نفس ہے۔ معلوم ہوا کہ بیت اللہ الحرام کی تعمیر، نبی کریم کی بعثت، وحی الہٰی کا نزول، احکام دین کی توضیح و تشریح اور تبلیغ و اشاعت سب کچھ اسی مقصد کے لئے مقرر کیا گیا کہ نفوس انسانی کا تزکیہ کیا جائے، اسے باطل عقائد و نظریات سے بچا کر، محاسن اعمال کی تعلیم دی جائے۔ محاسن اخلاق اس کی زندگی سے حاصل کئے جائیں۔ اور یہ انسان اپنے عقائد و نظریات، افکار و خیالات، اعمال و اخلاق، سیرت و کردار، معاشرہ و معیشت، سیاست و حکومت، غرض ہر شعبہ زندگی میں گندگیوں سے اپنے آپ کو بالکل صاف کرلے اور اپنی زندگی میں ایسے اوصاف اور ایسی خوبیاں پیدا کرلے کہ ہر دیکھنے والا اس کو دیکھ کر بے ساختہ یہ کہنے پر مجبور ہو۔ مَا هٰذَا بَشَرًا ط اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ٥ (۲) کہ یہ کوئی انسان معلوم نہیں ہوتا بلکہ یہ کوئی مکرم اور بلند پایہ فرشتہ ہے۔

پھر یہ کہ یہ دعا خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت مانگی جا رہی ہے اور اس گھر کی خصوصیات قرآن کریم یہ بیان کرتا ہے:

۱۔ لوگوں کی بقا و قیام کا ذریعہ۔ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ۔ (۳)

۲۔ کائنات کے لئے حصول برکات کا ذریعہ۔

۳۔ مرکز رشد و ہدایت اور نیابت و قرب الہٰی کے حصول کا مقام (مقام ابراہیم)۔

۴۔ منبع رحمت۔

۵۔ مقام امن و سلامتی۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ٥

فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۖ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ۗ (۴)

(یقیناً وہ مکان جو سب سے پہلے لوگوں کے واسطے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے۔ وہ برکت والا ہے اور پوری دنیا کے لوگوں کا مرکز ہدایت ہے۔ اس میں کھلی نشانیاں ہیں۔ منجملہ ان کے ایک مقام ابراہیم ہے اور جو شخص اس میں داخل ہو جائے وہ امن والا ہوتا ہے)۔

جب یہ سب کچھ تزکیہ نفس کے عظیم نصب العین اور اہم مقصد کے لئے ہے تو اس سے ظاہر ہوا کہ عالم کا بقا، برکات و رحمتوں کا حصول، رشد و ہدایت اور امن و سلامتی سب کچھ تزکیہ نفس پر موقوف ہے۔ نفوس کا یہ تزکیہ حاصل ہو جائے گا تو یہ تمام چیزیں خود بخود حاصل ہو جائیں گی اور جب انسان تزکیہ و طہارت سے خالی ہو جائیں انسانی و اخلاقی اقدار پامال ہونے لگیں، صحیح عقائد و نظریات کی جگہ باطل فکر رائج ہو جائے، دیانت و امانت کے بجائے خیانت و بددیانتی عام ہو جائے، محاسن اعمال کی جگہ بداعمالیاں لے لیں، مکارم اخلاق کے بجائے بداخلاقیاں شعار بن جائیں، اپنی شناخت کے بجائے عزور و تکبر سرایت کر جائے، امن و اخوت اور سلامتی کے بجائے عداوت اور سامان ہلاکت لوگوں کی شناخت بن جائے، قرابت کے بجائے رقابت لوگوں کے ذہنوں پہ سوار ہو جائے، ایثار و قربانی کو چھوڑ کر لوگ خود غرضی اور حرص و طمع میں مبتلا ہو جائیں تو پھر اللہ تعالیٰ کو اس کائنات کو باقی رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں رہے گی اور قیامت برپا کر کے سارے نظام کائنات کو درہم برہم کر دیا جائے گا کہ یہ طور و طریق انسان کو صف انسانی سے نکال کر حیوانوں اور جانوروں کی صف میں داخل کرنے والے بلکہ ان سے بھی بدتر بنانے والے ہیں۔ ارشاد ہوا:

إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ ۖ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ۝ (۵)

یہ زمین و آسمان اور اس میں پائی جانے والی تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ نے انسان ہی کیلئے پیدا فرمائی ہیں:

سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ۔ (۶)

ریہ یہ کہ دنیا ایک جسم کی مانند ہے' محاسنِ اخلاق و اعمال، تقویٰ و طہارت اور تعلق مع اللہ اس روح ہے۔ جب تک جسم میں رُوح باقی ہو' وہ زندہ رہتا ہے اور جب روح نفس عنصری سے پرواز رجائے تو وہ جسم مُردہ کہلاتا ہے' اسے منوں مٹی کے نیچے دفن کر دیا جاتا ہے۔

تزکیہ کا مفہوم

امام راغب اصفہانی نے تزکیہ کے مفہوم میں دو چیزیں ذکر کی ہیں جن پہ اس لفظ کے مفہوم کی بنیاد و اساس ہے:

۱۔ نمو و برکت کا حصول۔

۲۔ طہارت و پاکیزگی کا حصول۔

اس مفہوم کی تفصیل کے ضمن میں راغب نے مثالیں دی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے جب مالی فرض عبادت کا نام زکوٰۃ اسی لئے ہے کہ اس کے ذریعہ زکوٰۃ کی ادائیگی کرنے والا شخص اپنے مال کو پاک و صاف کرنے کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے مال میں نمو و برکت کا میدوار ہوتا ہے۔ اسی طرح تزکیۂ نفس میں انسان دنیا میں اپنے آپ کو اخلاق محمودہ سے مزین اور اخلاق رذیلہ سے پاک کر کے آخرت کے ثواب اور برکاتِ اجر کا مستحق ٹھہرتا ہے۔(۷)

گویا پاکیزگی اور برکات جو خانہ کعبہ کی خصوصیات بیان کی گئی تھیں' بندہ کی ذات ان سے تزکیۂ نفس کی صورت میں ہی مستفیض ہو سکتی ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ مختلف مقامات پر مختلف نسبتوں کے ساتھ بیان ہوا ہے' جس کی تفصیلات آئندہ ذکر کی جائیں گی۔

نفس کا مفہوم

امام راغب نے نفس کا مفہوم روح اور ذات بیان کیا ہے۔ (۸)

نفس سے ذات مراد لینا زیادہ بہتر ہے کیونکہ روح کے معنی امام راغب ان الفاظ

میں بیان کرتے ہیں:

اسم الجزء الذی به تحصیل الحیاۃ والتحرک واستجلاب المنافع واستدفاع المضار۔ (۹)

(روح جسم انسانی کے اس جزو کا نام ہے جس کے ذریعہ انسانی زندگی اور اس میں حرکت حاصل ہوتی ہے اور جس کی وجہ سے انسان منافع حاصل کرتا اور نقصان سے بچتا ہے)

اس معنی کے لحاظ سے نفس اور روح میں یہ فرق معلوم ہوا کہ نفس، ذات کو کہا جاتا ہے جبکہ روح ذات کا ایک حصہ ہے۔

* نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ارشاد میں ان دونوں میں اس طرح فرق بیان کیا کہ روح بھلائی اور نیکی کا سرچشمہ ہے جبکہ برائی اور گناہ پر آمادہ کرنے والی ذات کا نام نفس ہے۔ ارشاد ہوا:

ان اللہ تعالی خلق آدم وجعل فیہ نفساً و روحاً فمن الروح عفافہ فہمہ وحلمہ وسخائہ ووفائہ ومن النفس شہوتہ وطیشہ وغضبہ وسفہہ ونحو ذالک۔ (۱۰)

(اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا اور اس میں ایک تو نفس کو رکھا، اور ایک روح کو۔

* روح کی وجہ سے انسان کی عفت و پاکدامنی، اس کا فہم، حلم، سخاوت اور اس کی وفائے عہد جیسی خوبیاں ہیں۔ اور نفس کی وجہ سے اس کی شہوت، اسراف کا اشتعال، غصہ اور اس کی بیوقوفی ایسے رذائل ہیں۔)

* یعنی انسان کی صفات حسنہ کا منبع اور سرچشمہ روح ہے جبکہ بری صفات کا منبع نفس ہے۔

تزکیۂ نفس کا اصطلاحی مفہوم

تزکیہ کے لغوی مفہوم میں ترقی و بلندی اور صفائی وطہارت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

تزکیۂ نفس کا اصطلاحی مفہوم بھی طہارت و ترقی ہی ہے۔ انسان بحیثیت انسان ترقی کی منازل اسی صورت میں طے کر سکتا ہے جب وہ پہلے اپنے نفس کو تمام بُری عادتوں اور گناہ کی چیزوں سے پاک صاف کر لے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے انسان کو احسن تقویم میں پیدا فرمایا اور پھر اس کو ذلت کی انتھاہ گہرائیوں میں پھینک دیا چنانچہ انسان اس قدر گہرائی میں چلا گیا کہ اس کے بعد مزید گہرائی کا تصور ممکن نہیں۔ لیکن ذلت و رسوائی کی اس انتھاہ گہرائی سے بچنے والے کون لوگ ہیں؟ اور اس مقام میں ترقی کی منزلیں طے کرنے والے کون لوگ ہیں ان کا تعارف کراتے ہوئے ارشاد ہوا:

ترجمہ: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (۱۱)

ترجمہ: (وہ لوگ جنہوں نے ایمان قبول کیا اور نیک کام کرتے رہے)۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوا:

ترجمہ: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ (۱۲)

ترجمہ: (وہ لوگ جنہوں نے ایمان قبول کیا، نیک کام کرتے رہے اور دوسروں کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے)۔

یہی وہ انسان ہیں جو اپنے آپ کو نقصان سے بچانے والے اور ذلت کی انتھاہ گہرائیوں سے محفوظ رکھنے والے، اپنی انسانیت کو نمو و ترقی دینے والے اور اپنے نفس کا ایمان، عمل صالح اور حق و صبر کی تلقین کے ذریعہ تزکیہ کرنے والے ہیں۔ یعنی تزکیۂ طہارت و پاکیزگی کے لحاظ سے بھی ترقی کے معنوں میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے چنانچہ اس طہارت

اور انسانی ترقی کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ سے سلسلہ نبوت شروع کیا جو نبوت و رسالت کے مختلف مراحل طے کرتا ہوا ختمی مرتبت خاتم الانبیاء نبی کریمؐ پر اپنی انتہا و معراج کو پہنچا ہے۔ حضرت آدمؑ سے نبی کریمؐ تک کا تمام زمانہ وہ زمانہ تھا کہ جس میں انسان کو تربیت فکر اور تزکیۂ نفس کے لئے بار بار اللہ کے پیامبر کی ضرورت تھی لیکن نبی کریمؐ تک انسان اس مقام پر پہنچ چکا تھا کہ اب اسے وہ بنیادی اور اساسی اصول دے دیئے گئے جن کی بنیاد پر قیامت تک آنے والے انسان اپنے زمانہ اور اپنے حالات کے مطابق تربیت افکار اور تزکیۂ نفس کا فریضہ از خود سرانجام دے سکتے ہیں۔

تزکیۂ نفس کی ضرورت

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان کو تزکیۂ نفس کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے جب کہ دیگر مخلوقات کے تزکیہ اور تطہیر کے لئے اس قسم کا کوئی نظام مرتب نہیں کیا گیا۔ اس کی مختلف وجوہ ہو سکتی ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کو ایک خاص فطرت اور مخصوص وظیفۂ حیات پر پیدا کیا ہے

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ (۱۳)

جمادات، نباتات، حیوانات اور ملائکہ ایسی تمام مخلوقات کو ایک خاص فطرت پر پیدا کر کے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس فطرت اور وظیفۂ حیات پر مجبور کر دیا۔ ملائکہ کو اللہ تعالیٰ نے خالص نور سے پیدا کیا اور ان کی پیدائش کا مقصد اللہ کے احکام کی کامل اطاعت، مکمل فرمانبرداری اور اللہ کی تسبیح و تحمید بیان کرنا ہے۔ ملائکہ اپنی اس خلقت پر زندگی گزارنے پر مجبور ہیں، اللہ کی نافرمانی اور اس کے احکام سے انحراف کی صلاحیت ان کے اندر موجود نہیں ہے۔ ارشاد ہوا:

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۝ (۱۴)

معلوم ہوا کہ معصیت اور نافرمانی فرشتوں کی سرشت میں رکھی ہی نہیں گئی۔ اسی طرح انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی فطرت پر پیدا فرمایا اور اس کا مقصد زندگی بتاتے ہوئے کہا:

مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ (۱۴)

(ہم نے جنات اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ ہماری عبادت کریں)۔

لیکن انسان کو اس فطرت پر مجبور نہیں پیدا کیا گیا۔ اس کے مقابلہ میں فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوٰهَا ۝ (۱۶) (پھر اس کو بدکرداری اور پرہیزگاری الہام کی) یعنی فطرت انسانی تو اللہ کی فطرت ہے اور تقویٰ و طہارت اس کا وظیفہ حیات ہے۔

لیکن اس کے اندر نافرمانی، بغاوت اور سرکشی کی صلاحیت بھی رکھ دی گئی۔ جیسے ایک چوپائے کی اللہ نے یہ فطرت بنائی کہ وہ کھڑے ہو کر کھاتا ہے۔ یہ چوپایہ کھڑے ہو کر کھانے پر مجبور رہے۔ اگر اس چوپائے کا مالک یہ چاہے کہ یہ بیٹھ کر کھائے تو وہ اس کی قدرت نہیں رکھتا۔ اس کے بالمقابل انسان کے لئے اللہ نے فرش کو ایک خوان نعمت بنایا کہ وہ اس پر بیٹھ کر کھائے۔ فرمایا:

وَالْأَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُونَ ۝ (۱۷)

لیکن انسان کو اس پر مجبور نہیں کیا بلکہ اسے اختیار دے دیا کہ چاہے انسانوں کی طرح بیٹھ کر کھالے یا جانوروں کی طرح کھڑے ہو کر۔ اور یہی معاملہ قضائے حاجت کا ہے۔ جب یہ بات طے ہو گئی کہ انسان میں نیکی اور بدی دونوں کاموں کے کرنے کی صلاحیت موجود ہے، بدی کی دعوت دینے اور برائی پر آمادہ کرنے کے لئے شیطان بھی موجود ہے تو ضرورت اس بات کی تھی کہ اس کی نیکی کی صلاحیت کو جلا و ترقی دینے اور اسے بدی کی صلاحیت و قوت پر غالب کرنے کا کوئی مؤثر انتظام کیا جائے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے تزکیۂ نفس کا یہ اہتمام کیا گیا تاکہ انسان کی برائی کی قوت و صلاحیت مغلوب اور نیکی کی صلاحیت و قوت غالب، کارفرما اور کارآفریں ہو۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی جملہ مخلوقات کو انسان سے پہلے پیدا کیا۔ انسان سب سے آخر میں پیدا کیا گیا۔ (۱۸) انسان سے قبل جاندار مخلوقات میں ملائکہ، جنات اور حیوانات تخلیق کئے جا چکے تھے۔ ملائکہ کو اللہ تعالیٰ نے خالص نور سے پیدا کیا اور جنات کو خالص نار سے جس کا ذکر ابلیس نے بھی کیا کہ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ۔ (۱۹) اور حق تعالیٰ جل شانہٗ اس کے جن ہونے کی تصریح بھی فرماتے ہیں۔ كَانَ مِنَ الْجِنِّ (۲۰) لیکن یہ دونوں مخلوقات جسم و مادہ سے عاری و بے نیاز پیدا کیں۔ اسی وجہ سے انسان ان کو اصلی حالت میں دیکھنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ حیوان کی تخلیق میں جسم اور مادہ کو استعمال کیا گیا۔ لیکن ان تمام مخلوقات کو اللہ تعالیٰ نے قوت ارادی اور ادراک کے شعور کی طاقت سے محروم رکھا۔ آخری مرحلہ پر جب حضرت انسان کو پیدا کیا گیا تو اس میں ملائکہ کا نور بھی رکھا گیا، جنات کی نار بھی، حیوانات کی مادیت بھی اور قوت ارادہ کی ایک اضافی صلاحیت بھی۔ اس مرحلہ پر انسان ایک سہ راہے پہ کھڑا ہے، اس کے سامنے ملائکہ کا راستہ بھی ہے، جنات کا طریقہ اور حیوانات کی مادہ پرستی بھی ہے۔ اور قوت ارادیہ و عقلیہ کے ذریعہ سے اسے اختیار دے دیا گیا کہ ان میں سے وہ جس راستے کو اختیار کرنا چاہے، اس میں ترقی کرنے کی صلاحیت اس کے اندر موجود ہے۔ اگر وہ ابلیس کے راستہ کو اختیار کرے گا تو فساد اور شیطانی میں اسے بھی پیچھے چھوڑ دے گا، اگر حیوانات کے طریقہ کو اختیار کرے گا تو حیوان سے زیادہ مادہ پرست ہو جائے گا اور اگر ملائکہ کے راستہ کو اختیار کرے گا تو صرف نور نہیں نُورٌ عَلٰی نُورٍ کا مصداق بنے گا۔ چنانچہ انسان کو جنات و حیوانات کے راستے سے بچانے اور ملائکہ کے راستہ پر گامزن کرنے کے لئے اس کے نفس کا تزکیہ اور تطہیر کا انتظام کیا گیا تاکہ یہ اپنی دنیاوی زندگی کو بھی ایمان و تقویٰ کے نور سے روشن کرے اور روز قیامت بھی اس کو ایسا نور

میسر آجائے جو اس کو اس دن کی ہولناک تاریکیوں میں بھٹکنے سے بچالے۔

نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِم (۲۱)

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر قوت غضبیہ اور قوت شہوانیہ دونوں رکھی ہیں قوت غضبیہ کی بناء پر انسان ظلم و تشدد اور بغض و عداوت رکھنے والا ہوگا جب کہ قوت شہوانیہ کی وجہ سے اس کے اندر حرص، لالچ، حسد اور کینہ ایسی بری صفات پیدا ہو سکتی ہیں۔ انہی دو قوتوں کی وجہ سے ملائکہ نے زمین میں خلافت پر سوال کیا تھا:

أتجعل فيها من يفسد فيها ويسفك الدماء۔

(کیا آپ اس مخلوق کو زمین میں خلیفہ بنا رہے ہیں، جو زمین میں فساد پھیلائے گی اور خون بہائے گی؟)

یعنی اپنی قوت شہوانیہ کی وجہ سے یہ انسان نظام ارضی کو درہم برہم کرنے والا ہوگا اور اپنی قوت غضبیہ کی وجہ سے قتل و غارت گری پھیلانے والا ہوگا۔ اس پر بارگاہ الٰہی کی جانب سے جواب ارشاد فرمایا گیا۔

"إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ" (۲۲)

(بیشک میں جانتا ہوں وہ جو تمہارے علم میں نہیں)۔

یعنی تزکیہ و تربیت کا وہ نظام جو میں نے اس انسان کے لئے بنایا ہے، جس نظام اور اس کے ثمرات سے عدم واقفیت کی بناء پر اور انسان کی ان ظاہری دو قوتوں کو دیکھ کر یہ اشکال پیدا ہوا، وہ نظام اور اس کے اثرات و ثمرات میرے احاطۂ علم میں ہیں اور عنقریب تم اس کا مشاہدہ کرو گے۔ یہی وہ تربیت و تزکیہ کا نظام تھا جس کی بناء پر یہی دونوں صفات محبوب اور پسندیدہ ہو گئیں۔

معلوم ہوا کہ انسان کو فطرت انسانی پر برقرار رکھنے، اس کی قوت ارادہ کی صحیح تربیت کرنے، اسے ملائکہ کے راستے پر چلانے اور اس کی فطری قوتوں کو ختم کرنے کی بجائے

ان کو صحیح رخ عطا کرنے کے لئے تزکیۂ نفس کا ایک نظام تشکیل دیا گیا۔ اس ضمن میں یہ بات خاص طور پر اہمیت کی حامل ہے کہ تمام آسمانی مذاہب میں عموماً اور اسلام میں خصوصاً انسان کے کسی فطری جذبہ یا اس کی جبلی خاصیت کو ختم نہیں کیا گیا' یہ حکم نہیں دیا گیا کہ اپنی قوت شہوانیہ کو ختم کر دو اور ایک جنگل میں بسیرا اختیار کر کے رہبانیت کی زندگی اختیار کر لو۔

وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا (۲۳)

(اور انہوں نے رہبانیت کو خود ایجاد کر لیا)۔ اسی طرح اس کی قوت غضبیہ کو بھی ختم نہیں کیا گیا بلکہ اس کے مقامات کی وضاحت و صراحت کر دی کہ اس قوت غضبیہ کا مظاہرہ کس مقام پر کرنا ہے کہ یہی قوت غضبیہ اس قدر محبوب اور پسندیدہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ بطور فخر اس کو قرآن کریم میں بیان کریں:

وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (۲۴)

(نبی کریم کے ساتھی' کفار کے لئے سخت گیر اور آپس میں نرم خو ہیں)۔

اس کی وضاحت و تفصیل تزکیۂ نفس کے اثرات و ثمرات کے ضمن میں بیان کی جائے گی۔

تزکیۂ نفس کے مراحل

ہر چیز جو نظم و ضبط خصوصاً نظام حیات سے تعلق رکھتی ہو' اپنے اندر کئی مراحل رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے باوجودیکہ وہ اس قدر قادر مطلق ہے کہ اس کی جانب سے "کن" کہا جاتا ہے اور ساری کائنات معرض وجود میں آجاتی ہے اس کائنات کو چھ مراحل میں تخلیق کیا:

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ (۲۵)

(وہ اللہ جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا)۔

چھ ر ز سے بقول سید قطب چھ مراحل بھی ہو سکتے ہیں (۲۶)

یہاں تخلیق کائنات میں اللہ تعالیٰ نے اس قدر مدت یا اتنے مراحل سے کیوں کام

لیا؟ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

جب کوئی شے یکلخت تخلیق کر دی جائے تو یہ احتمال ہوتا ہے کہ یہ امر محض اتفاقی طور پر سرزد ہو گیا لیکن اگر کسی چیز کی تخلیق بتدریج کی جائے تو اس میں ایک جانب مصلحت و حکمت کا اظہار رہوتا ہے تو دوسری طرف یہ تخلیق قدرت کاملہ پر دلالت کرتی ہے اور یہ دلالت زیادہ قوی ہے۔ (۲۷)

گویا کائنات کو چونکہ نظم و نسق کی لڑی میں پرونا تھا' اسے ایک خاص نظام کا پابند بنانا تھا' اسی بنا پر باوجود قدرت کاملہ کے' مرحلہ وار پیدا کیا گیا۔ اسی طرح قرآن کریم کا نزول ۲۳ سال کی طویل مدت میں ہوا اور ہر مرحلہ پر ضرورت کے مطابق کوئی آیت' آیات یا کوئی سورۃ نازل ہو جاتی اور اس طرح ۲۳ سال کی مدت میں پورا قرآن کریم مرحلہ وار نازل ہوا۔ چونکہ قرآن حکیم ایک مربوط نظام زندگی لے کر آیا تھا' اور اس مربوط نظام زندگی کے ساتھ ہر انسان کو وابستہ ہونا تھا' لہٰذا اس کو یک بارگی نازل کرنے کی بجائے مرحلہ وار وقتاً فوقتاً نازل کیا گیا اور اس طرح اس کے اندر موجود نظام نے اپنے اندر لوگوں کو جذب کیا' ان کے ذہن و فکر میں تبدیلی پیدا کی' ان کے نظریات کو صحیح رُخ پر گامزن کیا' انہیں کفر و شرک اور گناہ و نافرمانی کی تاریکی سے نکال کر ایمان و تقویٰ کا نور عطا کیا۔ بالکل اسی طرح تزکیۂ نفس ایک جامع نظام عمل ہے جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ سے منسلک و مربوط ہے۔ اس نظام کے نظم کا تقاضہ ہے کہ اس کو مرحلہ وار اس طرح ترتیب و تشکیل دیا جائے کہ یہ لوگوں کے ذہنوں پر اثر انداز ہو' ان کے افکار اور اعمال اور سیرت و کردار میں مثبت تبدیلی کا ذریعہ ہو۔ تزکیۂ نفس اور تربیت اذہان کو تین مراحل میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ مرحلہ اوّل ——— نفس امّارہ

۲۔ مرحلہ دوم ——— نفس لوّامہ

۳۔ مرحلہ سوم ——— نفس مطمئنّہ

نفس امّارہ

گذشتہ بحث سے واضح ہو گیا کہ نفسِ انسانی ' تربیت وتزکیہ کا محتاج ہے۔ لہٰذا نفس کی تربیت بھی تدریجی مراحل میں ہو گی کہ تربیت کے لئے ترتیب وتدریج ایک لازمی وضروری چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ نفس انسانی کی تربیت بھی اسی تدریجی طریقہ پر فرمائی۔ اور اُمت کے لئے بھی یہی حکم ہے کہ وہ تربیتِ نفس میں تدریجی طریقہ کو اختیار کرے چنانچہ امام غزالی لکھتے ہیں :

فکذلک الشیخ المتبوع الذی یطبب نفوس المریدین ویعالج قلوب المسترشدین ینبغی ان لا یھجم علیھم بالریاضۃ والتکالیف فی فن مخصوص و فی طریق مخصوص مالم یعرف اخلاقھم وامراضھم وکما ان الطبیب لو عالج جمیع المرضی بعلاج واحد قتل اکثرھم فکذالک الشیخ لو اشار علی المریدین بنمط واحد من الریاضۃ اھلکھم وامات قلوبھم : (۲۸)

(اسی طرح وہ شیخ جس کی پیروی کی جاتی ہے اور وہ مریدین اور رشد وہدایت طلب کرنے والوں کے قلوب اور ان کے نفوس کا علاج کرتا ہے۔ اس کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اس سلسلہ کی تمام ریاضتیں اور محنتیں مخصوص طریقہ وفن کے ساتھ یکبارگی ان پر ڈال دے۔ بلکہ ان میں تدریج وترتیب کا طریقہ

اختیار کرے حتیٰ کہ ان کی عادات اور قلبی امراض کا بخوبی علم ہو جائے۔
جیسا کہ جسمانی طبیب اگر جسم کے تمام امراض کا ایک دم علاج شروع کر دے
تو وہ اکثر مریضوں کو ہلاک کر ڈالے گا' اسی طرح طبیب روحانی اگر مریدین کے
امراض قلب کا ایک لمحہ میں علاج کرنا چاہے گا تو ان میں بہتوں کو ہلاک
اور کچھ کو بد دل کر دے گا۔)

بیت کے اس ابتدائی مرحلہ میں نفس انسانی برائی کا سرچشمہ ہوتا ہے جیسا کہ ایک حدیث سے
بات واضح ہو چکی ہے کہ اخلاق حسنہ کا سرچشمہ روح اور اخلاق رذیلہ کا سرچشمہ نفس ہے۔
انچہ ارشاد الٰہی ہے:

وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ط ۔ (۲۹)

(اور نفوس حرص کی طرف جلد مائل ہو جاتے ہیں)۔

ی نفس، حرص (لالچ) اور ھویٰ (خواہش) یہ تینوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم
ع یہی نفس ہے کہ جو انسان کے اندر حسد ایسی موذی اور مہلک بیماری پیدا کرتا ہے:

حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ ۔ (۳۰)

(حسد ان کے نفوس کی جانب سے ہے)۔

ور یہی نفس جو انسانی عقل و شعور اور فہم و فراست کی طاقت و قدرت کو زائل کرنے والا
ہے اور عقل و دانش کے اس زوال کے بعد سیدھے راستہ کو چھوڑ کر گمراہ،
افراتی اور بداخلاقی کے راستہ کو اختیار کر لیتا ہے۔ اس کو قرآن نے یوں بیان کیا:

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِيمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۔ (۳۱)

(اور ملت ابراہیمی سے تو وہی روگردانی کرے گا جو اپنی ذات سے احمق ہو)۔

یعنی وہ شخص جو نفس کی خواہشات کی پیروی میں ایسا بدمست ہو کر سوچنے سمجھنے اور صحیح و
غلط کا امتیاز کرنے کی جو قوت و صلاحیت اسے دی گئی ہے' اس سے اپنے آپ کو

محروم کر کے غلط طریقہ اور راستہ کو اختیار کرے اور اپنے لئے تباہی و بربادی کو مقدر کرلے۔ غرضیکہ ہر برائی کا سرچشمہ نفس انسانی ہے :

وَمَآ أَصَابَكَ مِن سَيِّئَةٍ فَمِن نَّفْسِكَ ط (۳۲)

(اور جو مصیبت تمہیں پیش آتی ہے وہ تمہارے ہی سبب سے ہے)۔

اسی نفس انسانی کو جو تربیت و تزکیہ سے پہلے یا ابتدائی مراحل میں برائی کا سرچشمہ ہے قرآن کریم نے امارہ بالسوء بیان کیا ہے :

إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ (۳۳)

(نفس تو بری بات ہی بتلاتا ہے)

نفس امارہ کی تعریف

نفس امارہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے امام رازی لکھتے ہیں :

ان النفس الانسانیۃ شیئ واحد ولھا صفات کثیرۃ فاذا مالت الی العالم الالٰھی کانت نفسا مطمئنۃ واذا مالت الی الشہوۃ والغضب کانت امارۃ بالسوء۔ (۳۴)

(انسان کا نفس تو ایک ہی ہے البتہ اس کے اوصاف و احوال مختلف ہیں۔ نفس اگر اللہ کی جانب مائل ہو تو یہ نفس نفس مطمئنہ ہے اور شہوت و غضب کی طرف مائل ہو تو یہی نفس، نفس امارہ ہے۔)

یعنی نفس انسانی تو ایک حقیقت کا نام ہے لیکن اس کے احوال اور اس کی کیفیات مختلف ہیں۔ ایک حال اس نفس انسانی کا وہ ہے جب اس کی تربیت کردی گئی ہو اور اس کو صحیح رخ پر گامزن کردیا گیا ہو۔ نفس کی اس تربیت شدہ کیفیت کا نام نفس مطمئنہ رکھا جائے گا اور اس کا دوسرا حال وہ ہے جب اسے تربیت اور تزکیہ کی دولت نصیب نہ ہوئی ہو

ایسے میں وہ اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے والا اور اپنی قوتیں اور صلاحیتیں خواہشِ نفس کے مطابق استعمال کرنے والا ہوتا ہے۔ یہی وہ نفسِ امّارہ ہے جو اس کو برائی کا حکم دیتا اور اس پر آمادہ کرتا ہے۔ قاضی ثناءاللہ پانی پتی اس کو زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

نفسِ انسانی جو قلب و روح کا مرکب ہے، چار عناصر اس کا سرچشمہ ہیں۔ آگ، مٹی، پانی اور ہوا۔ یہ چاروں عناصر انسان میں مختلف اوصاف پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً آگ کی بنا پر اس میں غصہ اور تکبر کے آثار پائے جاتے ہیں، طبیعت میں پستی اور بخل کے اوصاف مٹی کی وجہ سے ظاہر ہوتے ہیں۔ پانی کی وجہ سے مزاج میں رنگینی اور صبر کی قلت پائی جاتی ہے جب کہ ہوا کھیل کود، فضول حرکتوں اور لالچ کے اوصاف کا سرچشمہ ہے۔ یہ نفس انسانی بغیر مجاہدہ کے اللہ کی اطاعت پر راضی نہیں ہو سکتا۔ اس مجاہدہ کے لئے اللہ کی رحمت کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی طہارت و پاکیزگی اور انبیاء علیہم السلام سے اس کے تعلق کو مضبوط بنا کر اس پر رحم فرمائیں اور اس کا تزکیہ کریں۔ کیونکہ بفحوائے ارشادِ ربانی، لا تزکوا انفسکم بل اللہ یزکی من یشاء۔ (تم خود اپنے نفوس کا تزکیہ نہ کرو، بلکہ اللہ تعالیٰ جس کا چاہتا ہے تزکیہ کر دیتا ہے) اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس تزکیہ کے بعد یہ نفس، نفسِ مطمئنہ بن جاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ راضیۃ مرضیۃ کے عنوان سے خطاب کرتے ہیں، اور یہ نفس انسان کو اللہ کے نیک بندوں میں شامل کرنے والا بنا دیتا ہے اور اس وقت یہ مرحلہ سامنے آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی سیئات کو حسنات سے بدل دیتا ہے[۴۵]

یعنی نفسِ انسانی اپنے عناصرِ ترکیبی کی وجہ سے بنیادی طور پر برائی کا سرچشمہ ہے۔ غصہ، تکبر، پستی، بخل، لالچ اور بے صبری ایسے اوصاف اس میں پائے جاتے ہیں چنانچہ نفسِ انسانی

کو ان رزائل سے بچانے کے لئے مجاھدہ اور رحمت الہٰی کی ضرورت ہے۔ مجاہدہ انسان خود کرے گا اور اس مجاہدہ کے نتیجہ میں اللہ کی رحمت اس کی جانب متوجہ ہو گی اور یہ رحمت اس کے نفس کی پاکی کا سبب بنے گی۔ مجاہدہ اور ارادہ کے بغیر انسان اپنے آپ کو اللہ کی رحمت کا مستحق نہیں بنا سکتا۔ امام غزالی نفس امارہ کی تعریف میں لکھتے ہیں:

وان ترکت الاعتراض واذعنت واطاعت بمقتضی الشھوات و دواعی الشیطان سمیت النفس الامارۃ بالسوء۔ (۳۶)

(اگر یہ نفس برائی پر ٹوکنا چھوڑ دے، اور نفس کی خواہشات اور شیطان کی مرضیات کی پیروی کرے تو اس کو نفس امارہ بالسوٗ کا نام دیا جاتا ہے)۔

یہی وہ نفس انسانی ہے جسے نبی کریم نے انسان کا دشمن قرار دیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

اعدی عدوك نفسك التی بین جنبیك۔ (۳۷)

(تیرے دشمنوں میں سب سے بڑا دشمن وہ نفس ہے جو تیرے بازوؤں کے درمیان ہے)۔

ان حقائق سے یہ بات ثابت ہوئی کہ انسان کا نفس اس کو برائی پر آمادہ کرنے والا ہے، اور اس کے صریح دشمن، ابلیس کی پیروی کرنے والا اور انسان سے اس کی انسانیت دشمنی کا مظاہرہ کرانے والا ہے۔ اور یہ تمام تر برائی نفس کی دو قوتوں کی بنا پر ہے یعنی قوت شہوانیہ اور قوت غضبیہ۔ کسی دشمن سے نجات کے دو ہی طریقے ممکن ہیں۔ اولاً یہ کہ دشمن کو ختم کر دیا جائے یا یہ کہ اس پر اس طرح غلبہ حاصل کیا جائے کہ وہ اپنی دشمنی کو بھول جائے اور آپ کا پیروکار بن جائے اور آپ اسے اپنے حکم کے مطابق، اپنی مرضی سے چلائیں۔ پہلا طریقہ نفس انسانی یا اس کی ان دو قوتوں کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ ایک غیر فطری طریقہ ہو گا اور جیسا کہ عرض کیا جا چکا، کسی غیر فطری طریقہ کی اسلام میں گنجائش نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اس کے لئے دوسرا طریقہ اختیار کرنا ضروری ہو گیا

کر انسان بجائے نفس کی پیروی کرنے کے خود اسے اپنے تابع بنائے اور احکام الٰہی اور فرامین نبوی کے مطابق اسے ڈھالنے کی کوشش کرے۔ یہی نفس کی تربیت ہوگی اور یہی اس کا تزکیہ ہوگا۔ اس کے مراحل تربیت کے لئے نبی کریم کا ایک ارشاد بنیادی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں:

اول ما خلق اللہ العقل، فقال له اقبل فاقبل، ثم قال له ادبر فادبر، ثم قال اللہ عز وجل وعزتی وجلالی ما خلقت خلق اکرم علی منک، بک آخذ وبک اعطی وبک اعاقب (۳۸)

(اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا پھر اس سے کہا آگے بڑھ، وہ آگے بڑھ گئی، پھر کہا پیچھے ہٹ، وہ پیچھے ہٹ گئی،* پھر اللہ نے فرمایا میری عزت اور میرے جلال کی قسم میں نے تجھ سے معزز مخلوق پیدا نہیں کی۔ تیری ہی وجہ سے میری طرف سے مواخذہ ہوگا، تیری ہی وجہ سے میری عطا ئیں ہونگی، تیری ہی وجہ سے میں ثواب دوں گا اور تیری ہی وجہ سے عذاب میں مبتلا کروں گا۔) ۳۹

عقل انسانی کی یہ حالت دراصل انسانی کیفیات کی جانب اشارہ کر رہی ہے کہ انسان اپنی قوت عقلیہ کی بنا پر کسی چیز کی طرف شوق و رغبت رکھے گا اور اس کی جانب لپکے گا اور کسی چیز سے اس کو نفرت ہوگی اور اس سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے پیچھے ہٹے گا۔ محبت و نفرت سے مرکب اسی زندگی پر اسے اللہ کی طرف سے مواخذہ، عطا، ثواب یا عذاب کا سامنا کرنا ہوگا۔ اگر وہ صرف مستحسن امور سے محبت کرتا اور ان کی طرف بڑھتا ہے تو دنیا میں اللہ کی عطاء اور آخرت میں اس کے ثواب کا مستحق ہوگا اور اگر اس محبت و نفرت کے جذبہ میں وہ اللہ کے احکام اور نبی کریم کی تعلیمات سے روگردانی کرتا ہے، ان سے غفلت اور لاپرواہی کا ارتکاب کرتا ہے یا ان کا انکار کرتا

ہے تو اس دنیاوی زندگی میں اللہ کی جانب سے مواخذہ اور آخرت میں عذاب کا نشانہ بننے والا ہوگا۔ یہاں یہ بات بھی واضح طور پر ثابت ہوگئی کہ عقل کی ان صلاحیتوں کو ختم کرنا مقصود نہیں ہے کیوں کہ انہی صلاحیتوں کی وجہ سے اس کو عطاء و مواخذہ اور ثواب و عذاب کا مستحق ٹھہرایا گیا ہے۔ اگر ان صلاحیتوں کا گلا گھونٹ دیا گیا تو عقل کی کوئی فضیلت باقی رہے گی اور نہ ہی یہ ثواب و عذاب کی مستحق رہے گی۔

یہ تربیت نفس کا پہلا مرحلہ ہے اور یہیں سے تربیت کا آغاز ہوگا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تربیت کا آغاز کس طریقہ سے کیا جائے۔ اس ضمن میں امام غزالیؒ کا ایک قول اساسی حیثیت کا حامل ہے۔ آپ اس کی وضاحت دو مثالوں سے فرماتے ہیں:

مثال اوّل انسانی بدن کو ایک شہر یا ملک تصور کر لو، عقل اس شہر کی یا ملک کی حاکم اور فرمانروا کی طرح ہے۔ انسانی حواس (سننے، دیکھنے، چکھنے، چھونے اور بولنے کے حواس) اس حاکم کے مددگار اور اس کے وزراء ہیں، جسم کے تمام اعضاء ہاتھ پاؤں وغیرہ اس کی رعایا ہیں جن کی یہ حاکم پرورش کرتا ہے اور اپنے حکم کے مطابق ان سے کام لیتا ہے۔ نفس امارہ اس ملک کا دشمن ہے اور رعایا کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتا ہے۔ گویا اس ملک کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔ اب اگر یہ حاکم اپنے مددگار اور وزراء کے ذریعہ اس دشمن سے مقابلہ کرتا رہا، اس کے عزائم خاک میں ملاتا رہا تو دشمن کی تباہ کاریوں سے بچنے والا ہوگا، اپنے ملک کو تباہی اور اپنی رعایا کو ہلاکت سے بچانے والا ہوگا اور پھر اس کی سلطنت فلاح و خیر اور ترقی کے راستہ پر چل پڑے گی۔ لیکن اگر یہ حاکم دشمن سے غافل رہا، اس کے حملوں سے دفاع نہ کیا یا خود اس کا مطیع و فرمانبردار ہوگیا تو خود بھی تباہ و برباد ہوگا، اپنی مملکت کو بھی ختم کر ڈالے گا اور اپنی رعایا کو بھی

ہلاکت میں مبتلا کر دے گا۔

مثال دوم عقل ایک شہسوار ہے، قوت شہویہ اور غضبیہ اس کا گھوڑا ہے جسے سدھایا گیا ہے اور وہ اپنے سوار کا فرمانبردار ہے۔ اس کا نفس شکاری کتا ہے، جس کو شکار کی تربیت دی گئی ہے۔ وہ مالک کے اشاروں پر دوڑتا ہے اور حملہ کرتا ہے، یہ شہسوار اپنے گھوڑے اور کتے کے ذریعہ ہی شکار میں کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن اگر یہ سوار ناسمجھ ہو، گھوڑا اور کتا اس کے فرمانبردار نہ ہوں تو دوسرے کسی جانور کو کیا شکار کرے گا۔ خود ہی اس گھوڑے کی ہٹ یا اس کتے کے حملہ کا شکار ہو جائے گا۔ (۴۹)

ان دونوں مثالوں سے امام غزالی یہ بات ثابت کر رہے ہیں کہ انسان ترقی اور کامیابی کی منزلیں اس وقت طے کر سکتا ہے جب کہ عقل و خرد کو اپنا حاکم اور فرمانروا بنائے۔ لیکن اگر اس نے عقل کی بجائے نفس کو اپنا حاکم بنایا تو تباہی اور ہلاکت کے سوا اور کچھ نہ پا سکے گا۔ اس کی حالت اس قوم کی سی ہو گی جو کسی ناسمجھ اور بیوقوف شخص کو اپنا حاکم بنا لے اور وہ حاکم اس مملکت کو دشمن سے بچانے کی بجائے مملکت کو یا اس کے کچھ حصہ کو دشمن کے سپرد کر دے۔ یہ ایسی ہی حماقت ہو گی کہ جیسے انسان خود اپنا بازو بلا کر کسی مرض کے کاٹ کر پھینک دے اور پھر بھکاری بن کر دربدر ٹھوکریں کھاتا پھرے۔ دوسری جانب حاکم (عقل) کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ دوست اور دشمن میں امتیاز کرے اور اپنی مملکت و رعایا کو دشمن کے عزائم سے محفوظ رکھے۔ اس ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کے سلسلہ میں عقل کی حیثیت ایک بینا آنکھ کی ہے جس طرح بینا آنکھ باہر کی روشنی کے بغیر کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتی اسی طرح عقل انسانی اپنی حاکمیت کے سلسلہ میں نور وحی کی محتاج ہے۔ اگر عقل اپنی حکمرانی کے اصول و ضوابط وحی الٰہی کی روشنی میں طے کرے گی تو منزل کی طرف گامزن رہے گی

اور اگر وحی الہی کے نور سے اپنے آپ کو الگ کرلے گی تو ٹھوکریں کھائے گی اور ایسی تاریکی میں گھر جائے گی کہ اِذَا اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ط (۴۰)؛ کہ اپنا ہاتھ بھی نکالے تو سجھائی نہ دے۔

نفس امارہ کی علامتیں

مذکورہ بحث سے واضح ہوا کہ نفس کی یہ حالت بیماری ہے اور اس کو علاج و تربیت کی ضرورت ہے۔ جس طرح جسمانی بیماری اپنے اندر کچھ علامتیں اور نشانیاں رکھتی ہے اور ان علامتوں سے ایک طبیب اس بیماری کی تشخیص کرتا ہے اسی طرح روحانی اور اخلاقی بیماری بھی اپنے اندر کچھ علامتیں اور نشانیاں رکھتی ہے۔ یہ علامتیں اس کے اخلاق و کردار سے ظاہر ہوتی ہیں اور ان کو دیکھ کر طبیب روحانی یہ پتہ چلاتا ہے کہ مرض کی نوعیت کیا ہے اور اس کا علاج کس طرح مناسب ہوگا؟۔ قرآنی تعلیمات اور نبوی احکام سے جو علامتیں سمجھ میں آتی ہیں، ان کو حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے:

(۱) حرص و حسد

ایسا نفس انسانی جو بیماری کی حالت میں ہے اور اس کا علاج ابھی شروع نہیں کیا گیا، حرص اور حسد ایسے موذی امراض کا شکار رہتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں نفس کو حسد کا سرچشمہ (۴۱) اور حرص کا ساتھی (۴۲) قرار دیا گیا ہے۔ حرص کے معنی لالچ کے ہیں یعنی اس کی خواہشات دنیویہ اور ذاتی اغراض لامحدود ہو جائیں، وہ اپنے رب ذوالجلال کو بھول جائے، اس کی تعلیمات کو فراموش کر دے اور ہمہ وقت دنیاوی آسائشوں اور لذتوں کے حصول میں منہمک رہے۔ اس ضمن میں اسے نہ یہ

پہ ان ہو کر وہ احکام الٰہی کی اتباع کرے اور نہ یہ فکر ہو کہ وہ کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی کر کے دولت حاصل نہ کرے۔ اسی طرح حسد ایک ایسا روگ اور ایک ایسی بیماری ہے کہ جو انسان کی روحانیت اور اخلاق ہی کو نہیں اس کے جسمانی وجود اور اس کی صحت کو اس طرح ختم کر دیتی ہے جیسے دیمک لکڑی کو اندر ہی اندر ختم کر دیتی ہے۔ جذباتِ حسد سے مغلوب انسان کا دل کسی دوسرے انسان کے پاس اللہ کی کوئی نعمت دیکھتا ہے تو جلنے اور کڑھنے لگتا ہے اور اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ یہ شخص اس نعمت سے محروم ہو جائے خواہ یہ نعمت مجھے ملے یا نہ ملے۔ یہ جذبات و احساسات انسان کو درندہ بلکہ اس سے بھی بدتر بنا دیتے ہیں۔

(۲) عقل و شعور کا خاتمہ

روحانی اور اخلاقی طور پر مریض یا بیمار کی دوسری علامت یہ ہے کہ وہ عقل و شعور اور احساس و ادراک کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور اس کی زندگی میں حماقت کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ اسی لئے ارشاد ربانی ہے:

(۴۳)

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ ط

(ملت ابراہیمی سے صرف وہی اعراض کرتا ہے جو اپنی ذات سے بیوقوف ہو)۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک عقلمند ہونے کا معیار کیا ہے؟

قرآن حکیم میں عقل کا سب سے بڑا معیار یہ ہے کہ عاقل ہونے کا دعویدار انسان اللہ کی آیات اس کائنات کے اندر پائی جانے والی نشانیوں اور اللہ کے احکام سے نصیحت حاصل کرے:

وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ ٥ (۴۴)

(صرف عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں) ---------- اور

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ (۴۵)

(بے شک آسمانوں زمینوں اور رات دن کے بدلنے میں عقل والوں کے لیے واضح نشانیاں ہیں)۔ ان نشانیوں سے انسان اللہ کی پہچان حاصل کرتا ہے۔ ان مخلوقات سے خالق کی خالقیت کا اقرار کرتا ہے تو وہ صاحب عقل ہے لیکن اگر ان تمام چیزوں کو وہ محض مادی وسائل و اسباب سے متعلق کر دیتا ہے۔ اللہ کی معرفت اور ہدایت حاصل نہیں کرتا تو وہ صاحب عقل نہیں ------------- اور ہے۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدٰھُمُ اللّٰہُ وَاُولٰٓئِکَ ھُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (۴۶)

(یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی اور یہی لوگ صاحب عقل ہیں)۔

یعنی جو ہدایت یافتہ ہے وہی صاحب عقل ہے۔ اور جو ہدایت سے محروم ہے وہ صاحب عقل کہلانے کا مستحق نہیں۔ ظاہر ہے کہ جو شخص واضح علامتوں اور بیّن نشانیوں ... کے مشاہدات اور ذاتی تجربات کے باوجود خالق کائنات تک رسائی حاصل نہ کر سکے اس کے حماقت اور عقل سے محروم ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

یہی بد عقلی اور حماقت انسان کو ملتِ ابراہیمی سے ہٹا کر بھٹکا دیتی ہے اس کی صفات، عادات اور اس کا کردار مستقل مزاجی سے محروم ہو جاتا ہے اور وہ اس شخص کی طرح ہو جاتا ہے جو کسی ناہموار تاریک غار میں بند ہو اور وہاں سے نکلنے کیلئے ہاتھ پاؤں مار رہا ہو اس کا ایک قدم کسی مقام پر پڑتا ہے تو دوسرا قدم کسی اور جانب۔ یہی حال اس شخص کا ہے، اس کے نظریات و افکار وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔

(۳) قوت شہوانیہ و غضبیہ کا نمونہ

نفس کی پاکی اور اس کے تزکیہ سے عاری شخص قوت شہوانیہ اور قوت غضبیہ کا ایک عملی پیکر اور نمونہ ہوتا ہے۔ وہ زندگی کے تمام تر حصّوں اور شعبوں میں ذاتی مفادات اور اغراض و مقاصد کے حصول کے لئے کوشاں رہتا ہے اور اس سلسلہ میں کسی رکاوٹ کو برداشت نہیں کرتا۔ اس کی نظر صرف اور صرف ذاتی اغراض و مقاصد پر ہوتی ہے۔ احکام الٰہی، فرامین نبوی، قومی مقاصد یا ملکی مفادات سے اسے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے اندر غیظ و غضب، غصہ اور تکبّر کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں کیونکہ اس کے عناصر ترکیبی میں آگ بھی شامل ہے۔

انسان کے عناصر ترکیبی میں آگ کے علاوہ مٹی بھی شامل ہے۔ مٹی کثافت کی وجہ سے پستی کی جانب جاتی ہے۔ اسی طرح مٹی میں جوڑنے اور باندھنے کی صلاحیت موجود ہے۔ اس عنصری بنا پر انسان پستی اور تذلیل کی زندگی اختیار کر لیتا ہے۔ ایک انسان کی حیثیت سے، ایک مسلمان کی حیثیت سے جو مقام اللہ تعالیٰ نے اس کو دیا ہے، وہ اپنے آپ کو اس مقام سے گرا دیتا ہے اور یہ صفت اس کے اندر بخل کے جذبات کو پیدا کرتی ہے اور بخل کو باندھنے سے قرآن کریم نے اس طرح تعبیر کیا ہے:

"وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ" (۴۷)

اسی طرح پانی کی وجہ سے اس کے مزاج میں رنگینی اور ہر رنگ میں رنگ جانے کی عادت پائی جائے گی کیوں کہ پانی کو جس رنگ اور جس صورت کے برتن میں ڈالا جائے وہ وہی رنگ و صورت اختیار کر لیتا ہے۔ پانی کے اندر سیلانی اور تموّج کی صلاحیت موجود ہوتی ہے، پانی کو اگر کسی مقام پر روکا نہ جائے تو وہ بہتا ہی چلا جاتا ہے۔ اسی طرح انسان میں بے صبری اور عدم استقلال کے جذبات پائے جائیں گے۔ امام غزالی کی تعریف

کے مطابق نفس امارہ رکھنے والا شخص بلا جھجک برائی کا ارتکاب کرے گا، اس برائی سے قبل یا بعد اس میں یہ خیال پیدا نہ ہوگا کہ اس سے کوئی برا فعل سرزد ہوا ہے بلکہ وہ دیوانہ وار نفس کی خواہشات اور شیطان کے وساوس پر چلتا رہے گا اور اپنی زندگی انہی تباہ کاریوں کے سپرد کر دے گا۔

غرضیکہ نفس امارہ رکھنے والا انسان اس دنیا کے اندر بھی سکون و اطمینان کی زندگی سے محروم رہتا ہے اور آخرت میں بھی اللہ کے عذاب کا مستحق ٹھہرتا ہے نفس امارہ جب مرحلہ تربیت کی ابتدائی منازل طے کرتا ہے تو نفس لوامہ بن جاتا ہے۔

نفس لوامہ کی تعریف

لوامہ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے امام راغب لکھتے ہیں:

عذل الانسان بنسبته الی ما فیہ لوم (۴۸)

(کسی انسان کا اپنے قصور پر اپنے آپ کو ملامت کرنا)

یعنی اپنے کسی قصور یا کسی ایسی محرومی پر جسے دور کرنے کا موقع اب دستیاب نہیں اپنے آپ کو قصوروار ٹھہرانا اور اس وجہ سے اپنے آپ پر فرد جرم عائد کرنا لغوی اعتبار سے لوم کہلاتا ہے اور لوامہ اسی مصدر کا مبالغہ ہے یعنی خوب ملامت کرنے والا۔ اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے امام راغب فرماتے ہیں:

ھی النفس التی اکتسبت بعض الفضیلۃ فتلوم صاحبھا اذا ارتکب مکروھا فھی دون النفس المطمئنۃ (۴۹)

(یہ وہ نفس ہے جس نے فضیلت کا کچھ حصہ حاصل کر لیا ہو اور برائی کے ارتکاب پر برائی کرنے والے کو ملامت کرے۔ یہ نفس مطمئنہ سے کم تر ہے۔)

علامہ آلوسی نے اس کے مختلف معنی بیان کئے ہیں۔ ان کے بیان کا خلاصہ یہ ہے:

دراصل اس نفس کی بنیاد و اساس ملامت پر قائم ہے، ایک ایسے آدمی کا نفس کہ جو دنیا دی آسائشوں اور لذتوں میں منہمک ہے، اس کا نفس اسے مزید لذات اور آسائشات کے حصول کے لئے ملامت کرتا رہتا ہے۔ اور وہ طالب دنیا نفس کی اس ملامت سے متاثر ہو کر دنیا کی طلب میں مزید منہمک ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح نفس کی ملامت رکھتی ہے اور نہ انسان کی ہوس و لالچ۔

دوسری جانب ایک ایسا انسان کہ جو برائی سے اپنے آپ کو بچا کر نیکی اور تقویٰ کے راستے پر ڈالنا چاہتا ہے، یہ نفس اس کو کسی برائی کے کرنے یا کسی عمل صالح سے محروم رہ جانے پر ملامت کرتا ہے۔ (۵۰)

نفس ن ملامت دنیا سے محرومی پر بھی ہو سکتی ہے، البتہ جو لوگ اپنے نفوس کا تزکیہ چاہتے ہیں، ن کا نفس دینی محرومی پر ان کو ملامت کرتا ہے۔ چنانچہ اسی بحث کے نتیجہ کے طور پر آلوسی اکثر صوفیاء کی نفس لوامۃ کے بارے میں رائے بیان کرتے ہیں:

ان النفس اللوامة فوق الامارة وتحت المطمئنة وعرفوا الامارة هي التي تميل الى الطبعة البدنية وتامر باللذات و الشهوات الحسية و تجذب القلب الجهة السفلية وقالوا هي ماوى الشرور ومنبع الاخلاق الذميمة وعرفوا اللوامة بانها هي التي تنورت بنور القلب قدرما تنبهت عن سنة الغفلة نكلما صدر عنها سيئة بحكم جبلتها الظلمانية اخذت تلوم نفسها ونفرت عنها - (۵۱)

رنفس لوامہ نفس امارہ سے اعلیٰ اور مطمئنہ سے ادنیٰ درجہ ہے، امارہ کی تعریف یہ ہے کہ جو نفس بدنی طبیعت کی طرف مائل ہو، خواہشات و لذات حسیہ

کا حکم دیتا ہو اور جذبات قلب کو تنزلی کی طرف لے جاتا ہو' اور یہی نفس بقول صوفیاء شر اور برے اخلاق کا سرچشمہ ہے۔ اور لوامہ کی تعریف یہ ہے کہ وہ نفس جس نے قلب کو اس حد تک منور کر دیا ہو کہ وہ انسان کو غفلت کے طرز زندگی پر متنبہ کرے اور اگر وہ اپنی تاریک جبلت کے ایماء پر کسی برائی کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ نفس اس کو ملامت کرتا ہے اور اس سے نفرت کرتا ہے)

امام غزالی بھی قریب قریب انہی الفاظ میں نفس لوامہ کی تعریف و حقیقت کو بیان کرتے ہیں :

واذ لم يتم سكونها ولكنها صارت مدافعة للنفس الشهوانية معترضة عليها سميت نفس اللوامة' لانها تلوم صاحبها عند تقصيره في عبادة مولاه' (۵۲)

(اور جب اس نفس کا سکون تمام نہ ہو' یہ نفس شہوانیہ کے خلاف مدافعت کرے اور اس پر اعتراض کرے تو اس کو نفس لوامہ کا نام دیا جاتا ہے کیوں کہ یہ عبادت الہٰی میں کوتاہی پر انسان کو ملامت کرتا ہے)۔

ان تمام تعریفات پر غور کرنے کے بعد نفس لوامہ کی حسب ذیل خصوصیات سمجھ میں آتی ہیں :

الف۔ نفس امارہ' نفس انسانی کا ادنیٰ ترین درجہ ہے جب کہ نفس لوامہ نفس امارہ سے بہتر ہے۔

ب ۔ نفس امارہ رکھنے والے شخص کو برائی کا احساس ہوتا ہے اور نہ ہی اس پر ندامت و شرمندگی ہوتی ہے جب کہ نفس لوامہ تزکیہ کی ابتداء کی بدولت برائی کا احساس دل میں پیدا کرتا ہے اور اس کو برائی کے ارتکاب پر ملامت کرتا ہے۔ نفس کی یہی ملامت ضمیر کی آواز کہلاتی ہے۔

ج ۔ نفس امارہ نفس کی تاریکی کی ایک حالت و کیفیت ہے جب کہ لوامہ قلب میں کسی قدر روشنی اور نور پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسی نور کی وجہ سے برائی کے ارتکاب پر قلب میں خلش محسوس کی جاتی ہے۔

د ۔ نفس لوامہ سکون و اطمینان سے عاری اور خالی ہوتا ہے اور یہ انسان کو برائی کے ارتکاب اور نیکیوں میں کمی پر متنبہ کرتا رہتا ہے اور کسی حالت پر قناعت نہیں کرتا۔

ہ ۔ نفس لوامہ سفر تزکیہ کا ایک مرحلہ ہے، منزل سفر نہیں۔ منزل سفر نفس مطمئنہ ہے جہاں نفس کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر سکون و قرار نصیب ہو جائے گا۔ چنانچہ کسی بھی شخص کو تزکیہ نفس کے سلسلہ میں اسی پر قناعت نہیں کرنی چاہیئے کہ اس میں برائی کا احساس و شعور پیدا ہو گیا کیونکہ بمصداق ارشاد نبوی برائی کو دل سے برا سمجھنا اور اس کو روکنے کی قدرت نہ رکھنا ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے (۵۳) اور تزکیہ نفس سے ایمان کا ضعیف ترین درجہ نہیں بلکہ اعلیٰ ترین درجہ مطلوب و مقصود ہے۔

و ۔ نفس لوامہ اگرچہ انسانی قلب کو ترقی کی منازل طے نہیں کراتا، لیکن نفس امارہ کی طرح اسے تنزلی کی طرف بھی نہیں لے جاتا۔

ذ ۔ نفس لوامہ اگرچہ خیر اور بھلائی کا سرچشمہ نہیں ہے لیکن یہ نفس امارہ کی طرح برائی کا سرچشمہ بھی نہیں ہے۔

ح ۔ نفس لوامہ مرضیات الٰہی کی تلاش و جستجو میں رہتا ہے اور یہی تڑپ و تلاش اسے اللہ اور اس کے رسول کا مطیع و فرمانبردار بنا دیتی ہے جس سے وہ نفس مطمئنہ کو حاصل کرنے والا بنتا ہے۔ ارشاد ہوا وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ط (اور بعض آدمی ایسا ہے کہ جو اللہ کی رضا کی

تلاش میں اپنی جان تک صرف کر ڈالتا ہے)۔ (۵۴)

ط۔ نفس امارہ انسان کو ہلاک کرنے والا ہوتا ہے جب کہ نفس لوامہ انسان کے اندر رجحانات، امنگ اور ترقی کرنے کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ امام احمد بن حنبل نے ایک روایت نقل کی ہے جس سے نفس لوامہ کی یہ حیثیت اور واضح ہو جاتی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اس نفس کو اختیار کرنے کا حکم بھی دیا جاتا ہے۔ مسند احمد کے مطابق نبی کریمؐ نے ایک مرتبہ حضرت حمزہ کی اس درخواست پر کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے، آپ نے سوال کیا:

یا حمزۃ نفسک تحییہا احب الیک ام نفس تمیتہا قال بل نفس احییہا، قال علیک بنفسک۔ (۵۵)

(اے حمزہ! تمہیں اپنے لئے وہ نفس پسند ہے جو ہلاک کرنے والا ہو یا وہ نفس محبوب ہے جو زندگی بخشنے والا ہو؟ حمزہ نے عرض کیا وہ نفس جو حیات کا سبب ہے۔ آپ نے فرمایا بس تو پھر تو اپنے اسی نفس کو اختیار کر)۔

یہی وہ نفسِ لوامہ ہے جو انسان کے اندر زندگی کے آثار پیدا کرتا ہے اور اسے ترقی کی منزل کی جانب سفر پر آمادہ کرتا ہے۔ تزکیۂ نفس کے لئے قرآن کریم کا اسلوب اور نبی کریمؐ کا طریقہ بھی یہی ہے کہ پہلے برائی کے نقصانات کو واضح کر کے برائی کے خلاف احساسات و جذبات کو پیدا کیا جائے کیوں کہ اس احساس کے پیدا ہوئے بغیر انسان محض قانونی گرفت سے بچنے کے لئے کسی برائی سے بچے گا تو جب اسے یہ احساس ہو گا کہ وہ قانون کی نظروں سے پوشیدہ ہے، یا قانون سے بچنے کے لئے تاویلات اور قانونی موشگافیوں کا راستہ اختیار کر سکتا ہے تو وہ جرائم کے ارتکاب سے نہیں رکے گا۔ لیکن اس کے بالمقابل ایک ایسا شخص جس کے دل میں جرم اور برائی کے خلاف نفرت پیدا ہو جائے اور اسے از خود اس برائی پر ندامت ہونے لگے تو وہ برائی کے ارتکاب سے امکانی حد تک اپنے آپ کو محفوظ

بچے گا خواہ وہ قانون کی نظر سے اپنے آپ کو پوشیدہ بھی سمجھے۔ چنانچہ شراب کی حرمت نازل کرنے کے سلسلہ میں بھی طریقہ اختیار کیا گیا کہ پہلے نقصانات بیان کئے گئے اور ارشاد فرمایا گیا۔

فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ " (۵۶)

ان دونوں (شراب اور جوے) میں بڑا گناہ ہے)۔

شراب کو گناہ کبیرہ بنا کر اس کی نفرت دل میں پیدا کی گئی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ممنوعہ چیزوں سے نفرت اور عبادات وطاعات کی محبت جب دل میں پختہ ہونے لگی تو حکم ہوا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ سُكَارَىٰ (۵۷)

اے ایمان والو! نماز کے قریب نہ جانا جب تم نشہ کی حالت میں ہو)۔

عبادت الٰہی کا شوق رکھنے والوں' اللہ سے تعلق رکھنے والوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والوں کے لئے تو یہی اشارہ کافی تھا کہ شراب اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے اور بہتوں نے اسی پر اس سے ترک تعلق کر لیا لیکن دوسرے اہل ایمان کے قلوب میں بھی اس سے نفرت میں بہرحال اضافہ ہوا۔ تیسرے مرحلہ میں اس کی حرمت نازل ہوئی اور اس حرمت میں بھی محض حرمت کا لفظ نہیں نازل ہوا بلکہ اس کی حرمت کی شدت اور نفرت کو بڑھانے کے لئے اس کو رجس اور عمل شیطان قرار دے کر اس سے بچنے کا حکم صادر ہوا۔ ارشاد فرمایا۔

إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ٥ (۵۸)

(بے شک شراب' جوا' بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں سو ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم فلاح پاؤ)۔

یعنی اگر آخرت کی فلاح وکامیابی' سعادت اور انسانی ترقی چاہتے ہو تو ان چیزوں کو برا سمجھو اور

ان سے بچتے رہو۔ فلاح و کامیابی بھی ملے گی اور بحیثیت انسان تم ترقی کرنے والے بھی ہو گے۔

اس آیت کے نازل ہونے پر شراب کی ایسی نفرت دلوں میں پیدا ہوتی کہ لوگوں نے اپنے بڑے بڑے ذخائر ضائع کر دیئے اور مدینہ منورہ کی گلیوں اور نالیوں میں کئی روز تک شراب بہتی رہی۔ حالانکہ وہ اگر چھپ کر شراب پیتے تو قانون کی گرفت میں نہیں آ سکتے تھے۔ لیکن وہ نبی کریمؐ کے تربیت یافتہ تھے، ان کے نزدیک جرم ایک قابل نفرت چیز تھی اور انہی جذباتِ نفرت کی وجہ سے وہ برائی کے ارتکاب سے بچتے تھے نہ کہ سزا یا قانون کی گرفت کے خوف سے۔

معصیت، گناہ، نافرمانی اور برائی سے بچنے اور عبادات کو کثرت کے ساتھ سرانجام دینے میں نفس لوامہ بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ نفس لوامہ کی منزل طے کئے بغیر تزکیۂ نفس کے سفر کی آخری منزل نفس مطمئنہ کا حصول ممکن نہیں۔

نفس مطمئنہ۔ مفہوم و تعریف

امام راغب اطمینان کا مفہوم "السکون بعد الانزعاج" (۵۹) (بے قراری کے بعد سکون) قرار دیتے ہیں۔ امام فخر الدین رازی نفس مطمئنہ کی تعریف کرتے ہوئے مطمئنہ کی جو خصوصیات بیان کرتے ہیں، ان کو حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے:

الف ۔ یہ نفس حق پر کامل یقین رکھتا ہو اور کسی قسم کے شک میں مبتلا نہ ہو۔

ب ۔ نفس مطمئنہ سے مراد وہ نفس مومن ہے جس کو موت کے وقت، روز قیامت اور دخول جنت کے وقت بارگاہ الٰہی کی جانب سے یہ بشارت سنائی جائے:

الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنة (کہ تم کو اب کوئی غم نہیں نہ خوف بلکہ جنت کی بشارت ہے)

ج ۔ نفس کا یہ اطمینان ذکر الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کے ذکر سے قلوب کو اطمینان

حاصل ہوتا ہے) (۶۰)۔

علامہ آلوسی مذکورہ معانی کے علاوہ ایک معنی اور بیان کرتے ہیں :

فاذا وصلت الیه عزوجل اطمانت واستغنت به سبحٰنه عن وجودها وسائر شئونها ولم تلتفت الی ما سواه جل وعلا بالکلیة (۶۱)

(جب یہ نفس اللہ تک رسائی حاصل کرلیتا ہے تو اطمینان حاصل کرلیتا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات بابرکات میں محو ہوکر اپنے وجود اور دیگر تمام معاملات سے بے نیاز ہوجاتا ہے اور پھر اللہ کے سوا کسی کی جانب بالکل توجہ نہیں کرتا)۔

علامہ ابن کثیر نفس مطمئنہ کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :

وهی الساکنة الثابتة الدائرة مع الحق (۶۲)

(نفس مطمئنہ وہ نفس ہے جو حق کے دائرہ میں سکون واطمینان حاصل کرے)۔

امام غزالی نے نفس مطمئنہ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :

فاذا سکنت تحت الامور زایلها الاضطراب بسبب معارضة الشهوات سمیت النفس المطمئنة (۶۳)

(جب یہ نفس حکم الٰہی کے تحت سکون حاصل کرے اور شہوات کے حائل ہوجانے سے جو اضطراب موجود تھا' اس کو دور کرلے تو اس نفس کو نفس مطمئنہ کہا جاتا ہے)۔

✱ یعنی سکون وقرار کا حصول اور اضطراب اور بے قراری سے نجات' نفس مطمئنہ کی بنیاد واساس ہے۔ ان تعریفات سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ نفس مطمئنہ تزکیۂ نفس کی آخری منزل ہے۔ اس منزل کو حاصل کرنے والے شخص ہی کو دراصل تزکیۂ نفس کرلینے والا فرد کہا جاسکتا ہے۔

نفس مطمئنہ کی علامات

نبی کریمؐ نے مختلف مواقع پر اپنے ارشادات گرامی میں کچھ ایسی علامتوں اور نشانیوں کا ذکر کیا ہے جنہیں نفس مطمئنہ کی علامتیں اور نشانیاں کہا جاسکتا ہے۔ نفس مطمئنہ کی ان علامتوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(۱) بندہ کا اللہ سے تعلق

الف۔ بندہ کا اللہ سے تعلق اور نبی کریمؐ سے محبت یہ تزکیہ نفس اور نفس مطمئنہ کی بنیادی و اساسی علامت ہے۔ اللہ سے بندہ کا تعلق اس قسم کا ہونا چاہیئے کہ دنیا میں اس کے تمام تر تعلقات کی بنیاد بھی اللہ ہی سے محبت و تعلق پر ہو چنانچہ نبی کریمؐ ارشاد فرماتے ہیں:

ان یحب المرء لا یحبہ الا للہ

(یہ شخص کسی دوسرے شخص سے صرف اللہ کے لئے محبت کرے)۔

اسی طرح نبی کریمؐ سے محبت و تعلق دنیا و ما فیہا سے زیادہ ہونا چاہیئے:

لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین (۶۴)

(کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اسکے والد بیٹے اور دنیا کے تمام لوگوں سے زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں)۔

یعنی ایمان کامل اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ سے تعلق دنیا کی ہر چیز سے زیادہ ہو۔ اس ضمن میں ثمامہ بن اثال کا واقعہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے جس میں ثمامہ کے تزکیۂ نفس سے قبل نفس لوامہ حاصل ہو جانے پر اد

نفس مطمئنہ کی منزل پالینے پر جذبات و تاثرات کا اظہار ہوتا ہے۔ محرم ۶ھ میں محمد بن مسلمہ انصاری کی قیادت میں ایک مختصر جماعت قرطاء کی جانب روانہ کی گئی یہ جماعت وہاں سے فاتح لوٹی دو مالِ غنیمت کے علاوہ بنی حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال کو قیدی بنا کر لائے۔ نبی کریمؐ کے حکم سے ثمامہ کو مسجد نبوی میں ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ پہلے دن ثمامہ سے جو ابھی نفس امارہ رکھتے تھے اور تزکیہ نفس کے کسی مرحلہ کو طے نہیں کر پائے تھے، نبی کریمؐ نے پاس سے گزرتے ہوئے سوال کیا ماعندک یا ثمامہ (کیا حال ہے لے ثمامہ) ثمامہ عرض کرتے ہیں:

عندی خیر یا محمد ان تقتلنی تقتل ذا دم وان تنعم تنعم علی شاکر وان کنت ترید المال سل منہ ما شئت۔

(میرا حال ٹھیک ہے اے محمد! اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو ایک مستحق قتل کو قتل کریں گے، اگر آپ انعام کریں گے تو ایک شکر گزار پر انعام کریں گے اور اگر آپ کو کچھ مال چاہیئے تو جو آپ چاہتے ہیں، سوال کریں)۔

نبی کریمؐ انہیں اسی حالت میں چھوڑ کر آگے بڑھ گئے، اگلے روز پھر حضورؐ نے اسی طرح دریافت کیا تو اس موقع پر اس سے جواباً کہا:

عندی ما قلت لک ان تنعم تنعم علی شاکر وان کنت ترید المال فسل ما شئت۔

(میرا حال وہی ہے جو میں نے عرض کیا تھا، اگر آپ انعام کریں گے تو ایک شکرگزار پر ہوگا اور اگر آپ کو مال چاہیئے تو سوال کریں۔)

تیسرے دن پھر آپؐ نے سوال کیا تو ثمامہ نے صرف اس قدر کہا عندی ما قلت (میرا حال وہی ہے جو میں نے عرض کیا تھا) ثمامہ نے اگرچہ بذات خود تو اسی بات کا اعادہ کیا کہ میرا حال وہی ہے لیکن ان کے تینوں دن کی مختلف عبارتیں ان کی بدلنے والی حالت کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔ پہلے دن انہوں نے اپنے قتل کا بھی ذکر کیا، انعام پر شکر گزاری کا بھی اور نبی کریمؐ کے سوال

کا بھی۔ دوسرے دن قتل کا ذکر حذف کر دیا اور تیسرے دن کوئی بات نہیں کہی۔ یہ وہ مرحلہ تھا جب ثمامہ نفس لوامہ حاصل کر چکے تھے۔ دو روز نبی کریمؐ کے معمولات اور صحابہ کی تربیت کا مشاہدہ کرکے انہیں اپنے جرم کا احساس ہونا شروع ہو گیا تھا اور آخری دو دن کے جوابات ان کے انہی جذبات کی نمائندگی کر رہے تھے۔ تیسرے دن نبی کریمؐ نے ان کو آزاد کر دیا۔

آزادی حاصل کرکے وہ مشرف باسلام ہوئے اور اپنی تبدیلی کو ان الفاظ میں بیان کیا:

یا محمد واللہ ما کان علی الارض وجہ ابغض الی من وجھک فقد اصبح وجھک احب الوجوہ الی واللہ ما کان من دین ابغض الی من دینک فاصبح دینک احب الدین الی واللہ ما کان بلد ابغض الی من بلدک فاصبح بلدک احب البلاد الی۔ (۶۵)

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کی قسم پہلے مجھے آپ کے چہرہ سے زیادہ نفرت کسی چیز سے نہ تھی، لیکن آج آپ کا چہرہ محبوب ترین چہرہ ہے۔ خدا کی قسم پہلے مجھے آپؐ کے دین سے زیادہ نفرت کسی دین سے نہ تھی اب آپ کا دین میرے نزدیک محبوب ترین دین ہے۔ خدا کی قسم مجھے پہلے آپ کے شہر سے زیادہ نفرت کسی شہر سے نہ تھی، اب آپ کا شہر میرا محبوب ترین شہر ہے)۔

یہ تزکیۂ نفس کا سفر ہے کہ جو ثمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس طرح طے کیا کہ امارہ سے لوامہ اور پھر مطمئنہ حاصل کیا اور پھر اپنی اس تبدیلی کا ذکر بھی کیا جو انہیں اس موقع پر محسوس ہوئی۔ ان کیفیات میں سے پہلی کیفیت نفس امارہ کی حالت ہے اور دوسری کیفیت نفس مطمئنہ کی ہے کہ آپ کا چہرہ، آپؐ کا دین اور آپؐ کا شہر اس شخص کے لئے محبوب ترین اتنا بن جائے۔ اس طرح کی تبدیلی کوئی اپنے ذہن و دماغ اور قلب میں محسوس کرے تو یہ نفس مطمئنہ کی سب سے بڑی علامت ہوگی۔

ب۔ نفس مطمئنہ کی دوسری علامت اور نشانی یہ ہے کہ کفر، اعمال کفر اور کفار سے اسی درجہ میں نفرت اور بیزاری کا اظہار رہے جس درجہ میں اسے دین اور ارکان دین سے محبت ہے نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا کہ حلاوت ایمان (ایمان کی لذت) اس وقت محسوس ہوگی جب مومن کفر میں لوٹنے کو ایسا ہی ناپسند کرے جیسا آگ میں ڈالے جانے کو۔ (۶۶)

ج۔ نفس مطمئنہ کی تیسری علامت یہ ہے کہ نیکی اور بھلائی کے جو اعمال اس نے اختیار کئے ہیں، اپنی سیرت اور اپنے کردار میں جو حسن اس نے پیدا کیا ہے، وہ حادثاتی نوعیت کا نہ ہو کر صابن کے جھاگ کی طرح چند دن میں ختم ہو جائے بلکہ اس پر استقلال اور ثابت قدمی کے ساتھ قائم رہنے والا ہو۔ جیسا کہ حضورؐ کا ارشاد ہے:

کان احب الدین الیہ ما داوم علیہ صاحبہ (۶۷)

(اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر عمل کرنے والا ہمیشہ عمل کرے)۔

د۔ عبادت میں ثابت قدمی کے ساتھ اس کی طرف مکمل توجہ، پورا اخلاص اور ہر قسم کا اہتمام بھی ہو۔ یہی احسان کا وہ درجہ ہے جو ایمان یعنی عقائد کی اصلاح، اور اسلام یعنی اعمال کی اصلاح کے بعد حاصل ہوتا ہے جس کی تعریف و وضاحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

ان تعبد اللہ کانک تراہ (۶۸)

(کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے)

عبادت میں جب ایسی توجہ اور ایسا اہتمام وانہماک نصیب ہو جائے اور ایسا شوق پایا جائے کہ مومن بندہ اپنے دیگر کاروبار زندگی میں مصروف ہو کر بھی ذہنی اور قلبی طور پر مسجد سے اپنے آپ کو منسلک رکھنے لگے جیسے قلبہ معلق بالمساجد (۶۹) (کہ اس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہو) سے تعبیر

کیا گیا ہے، تو سمجھنا چاہیئے کہ اس بندہ مومن نے نفس مطمئنہ حاصل کر لیا ہے۔

۵۔ نفس مطمئنہ کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام میں کوئی تحریف اور تبدیلی نہ کرتا ہو بلکہ جو امور و اشیاء حلال کی گئیں، انہیں حلال اور جو حرام کی گئیں انہیں حرام سمجھتا ہو۔ (۷۰)

۲۔ بندہ کا اپنی ذات اور دوسرے بندوں سے تعلق

تزکیہ نفس کی منزل، نفس مطمئنہ حاصل ہونے کی علامات کا دوسرا حصہ بندہ کا اپنے آپ سے تعلق اور اپنے احباب، رشتہ داروں، پڑوسیوں اور دوسرے مسلمانوں سے تعلقات پر مشتمل ہے۔

الف۔ اپنے ساتھ انصاف

نفس مطمئنہ حاصل کر لینے والا شخص اپنی ذات کے ساتھ ظلم و زیادتی کرتا ہے اور نہ ہی اپنے آپ کو ناجائز مراعات کا مستحق سمجھتا ہے بلکہ وہ اپنی ذات کے ساتھ اعتدال کی راہ اور عدل و انصاف کے راستہ کو اختیار کرتا ہے۔ چنانچہ نبی کریمؐ نے تین خصلتیں ذکر فرمائیں، جو ان کو جمع کرے، اس نے ایمان کے تقاضوں کو جمع کر لیا، ان میں سے ایک اپنی ذات کے ساتھ انصاف ہے۔ (۷۱)

یہ صفت بھی نفس مطمئنہ کی ایک علامت اور نشانی ہے۔

ب۔ دیگر مومنین سے تعلق

نفس مطمئنہ کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ مومن دوسرے مومن بھائیوں سے محبت و اکرام اور شفقت و اخوت کے تعلقات قائم رکھے۔ اس ضمن میں کثرت سے

سلام کا حکم، مستحق کے لئے مال خرچ کرنے کا حکم اور یہ حکم کہ اپنے بھائی کے لئے وہی کچھ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے ۔ اگر یہ سب کچھ کرنے سے قاصر ہے تو کم از کم اس قدر ضرور ہونا چاہیئے کہ اس کے ہاتھ اور اس کی زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ و مامون رہیں ۔ (۷۲) نفس مطمئنہ کی ان علامتوں سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ تزکیۂ نفس کا حصول اس وقت تک ممکن نہیں جب تک بندہ کے اللہ کے ساتھ تعلقات مستحکم ہونے کے ساتھ ساتھ، دوسرے بندوں کے ساتھ اس کے تعلقات خیر خواہانہ، ہمدردانہ اور مجسم سلامتی نہ ہوں ۔ اپنے احباب، اعزاء اور پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کے بغیر کوئی شخص تزکیۂ نفس کی آخری منزل تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا ۔ اسی طرح یہ بات بھی واضح ہوئی کہ اسلام میں تزکیۂ نفس کے لئے مخلوق سے تعلقات منقطع کر لینا اور جنگل میں رہ کر تزکیۂ نفس کے نصاب پر عمل کرنا، دین اسلام، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور قرآنی احکام اس کا قطعاً تقاضہ نہیں کرتے بلکہ جا بجا اس کی ممانعت کی گئی ہے ۔

نفس مطمئنہ کی ان علامتوں کے بعد ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ نفس مطمئنہ کا حصول کس طرح ممکن ہے ۔ وہ کون سے راستے ہیں جس پر چل کر انسان نفس مطمئنہ کی منزل حاصل کر سکتا ہے اور وہ کون سے عقائد و اعمال ہیں جن کے ذریعہ نفس مطمئنہ کا حصول ممکن ہے ۔

نفس مطمئنہ کے حصول کے طریقے

الف ۔ نفس مطمئنہ کی علامات میں بھی کچھ طریقوں کی طرف اشارہ ہوا ہے مثلاً اعمال خیر میں ثابت قدمی، عبادات میں توجہ و اخلاص اور اپنے مومن بھائیوں کے ساتھ اچھے

تعلقات قائم کرکے بندہ مومن نفس مطمئنہ کو حاصل کرسکتا ہے۔ اس ضمن میں بندہ مومن اپنے نفس کا خود احتساب کرے اور یہ جانچے کہ اسے عبادات کا کس قدر شوق ہے، وہ عبادات کو کس قدر توجہ اور اہتمام سے سرانجام دیتا ہے، وہ اپنی عبادات کو کس قدر استقلال کے ساتھ قائم رکھتا ہے اور دوسروں کے ساتھ اس کے تعلقات کیسے ہیں، اس جانچ پڑتال سے وہ بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس کے اندر نفس مطمئنہ پیدا ہوگیا ہے یا نہیں۔ روز قیامت بھی انسان کو اس کا نامہ اعمال پکڑا دیا جائے گا اور بارگاہ الٰہی سے ارشاد ہوگا بنفسك اليوم عليك حسيباً (۷۳)۔ (آج تو خود اپنا ہی محاسب کافی ہے) قیامت کے دن کی اس خود احتسابی کا سامنا کرنے کے لئے دنیا میں خود احتسابی کی مشق ضروری ہے۔

ب۔ امام مسلم کی ایک روایت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ تزکیۂ نفس کے لئے اللہ کی وحدانیت پر ایمان، شرک سے بچنا، نماز کا قیام، ادائے زکوٰۃ اور صلہ رحمی ایسے اوصاف پیدا کرنا ضروری ہے۔ (۷۴)

ج۔ ایمان کے تقاضوں کو سمجھنا اور انہیں پورا کرنا، حدود شریعت کو معلوم کرنا اور ان کا لحاظ رکھنا اور شرعی طریقوں کو سیکھنا اور ان پر عمل کرنا یہ سب تزکیۂ نفس اور نفس مطمئنہ کے حصول کے لئے ضروری نصاب ہے۔ عمر بن عبدالعزیز نے عدی بن عدی کو لکھا:

ان الايمان فرائض وشرائع وحدود وسنن فمن استكملها استكمل الايمان۔ (۷۵)

(بے شک ایمان کے تقاضے احکام، حدود اور طریقے ہیں، جس نے ان تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش کی، اس نے ایمان کو مکمل کرنے کی کوشش کی)۔

معلوم ہوا کہ بندہ مومن کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ایمان کے تقاضوں، اس کے احکام اور اس کی حدود معلوم کرے اور ان کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے کی کوشش و سعی کرے۔ اس کوشش کے نتیجہ میں اللہ کی طرف سے رحمت کے دروازے کھلتے ہیں اور ایمان کامل ہو جاتا ہے۔ یہی ایمانِ کامل، مومنِ کامل کو نفس مطمئنہ کی منزل پر پہنچاتا ہے جس پر پہنچ کر وہ اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کر لیتا ہے۔

د۔ نفس مطمئنہ کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی تمام تر قوتوں، صلاحیتوں اور خصوصاً قوت غضبیہ اور شہوانیہ کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تابع کر دے اور اپنی تمام تر خواہشات قرآنی احکام اور نبوی تعلیمات کے مطابق بنانے کی کوشش کرے۔

ھ۔ اپنے ضمیر کی آواز سننے کی کوشش کرے اور اس کی طرف توجہ کر کے اس کے مطابق عمل کرے۔

و۔ نفس مطمئنہ کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے بندہ اپنے آپ کو اللہ کے احکام کا تابع بنا لے یہ اس کے لئے کامیابی کا سب سے بڑا راستہ ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝

(۲۶)

(آپ کہہ دیجئے کہ واقعی اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں گمراہ کر دیتے ہیں اور جو شخص ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کو اپنی طرف ہدایت کر دیتے ہیں مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے) خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔)

یعنی وہ قلبِ مطمئن جو ایک مومن کی منزل تزکیہ ہے، اللہ کی طرف رجوع اس کے ذکر اور اس کے احکام کی اتباع اور پیروی کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ ان خطوط پر جب وہ اپنی عملی زندگی کو استوار کرے گا تو وہ اپنے نفس کا تزکیہ کرنے والا اور نفس مطمئنہ کا حاصل کرنے والا ہو جائے گا۔

تزکیۂ نفس کے اثرات

آیئے دیکھتے ہیں کہ انسان کی عملی زندگی پر تزکیۂ نفس اور نفس مطمئنہ کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں اور وہ کن صفات کا مالک ہوتا ہے:

۱۔ فلاح و کامیابی

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں نفس کے تزکیہ کے نتیجہ میں فلاح و کامیابی کی بشارت دی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝ (۷) (بے شک کامیاب ہوا وہ شخص جس نے اس (نفس) کا تزکیہ کر لیا)۔

اس فلاح و کامیابی کی وضاحت ایک دوسرے موقع پر یوں فرمائی گئی:

وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۝ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى (۸)

(اور جو شخص رب کے پاس مومن ہو کر حاضر ہوگا اس نے نیک کام بھی کئے ہوں، سو ایسوں کے لئے بڑے اونچے درجے ہیں، یعنی ہمیشہ رہنے والے باغات جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ انعام ہے اس

شخص کا جو پاک ہوا)

۲۔ نفسِ مطمئنہ کو خطاب

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نفس مطمئنہ کو خطاب کر کے فرمایا:

يَآاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِىٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝

فَادْخُلِىْ فِىْ عِبَادِىْ ۝ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ ۝ (۷۹)

(اے نفس مطمئنہ! اپنے پروردگار کے جوارِ رحمت کی طرف چل اس طرح سے کہ تو اس سے خوش ہو اور وہ تجھ سے راضی۔ پھر تو میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا)

اس آیت کریمہ میں نفس مطمئنہ کے حسبِ ذیل اوصاف بیان کئے گئے ہیں:

۱۔ رب کائنات کی طرف رجوع۔

۲۔ اللہ سے راضی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے والا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں میں شمولیت۔

۵۔ جنت میں داخلہ۔

اللہ کی طرف رجوع، جس کا حکم تزکیہ کے ضمن میں بھی ذکر کیا گیا ہے مفہوم و مقصود اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے۔ اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے بغیر اللہ کی طرف رجوع کرنے کا دعویٰ، محض دعویٰ ہے۔ اس کی سچائی کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا ہے ارشاد الٰہی ہے:

وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ (۸۰)

(اللہ کی طرف رجوع کرو یعنی اس کی اطاعت کرو)۔

تزکیۂ نفس اور نفس مطمئنہ کے خطاب سے مشترک طور پر جو ثمرات و نتائج معلوم ہو رہے ہیں وہ فلاح و کامیابی، اللہ کے خاص بندوں میں شمولیت، اللہ کی رضا اور جنت میں داخلہ ہیں۔ ان میں پہلے دو کا تعلق دنیاوی زندگی سے اور آخری دو کا تعلق اخروی زندگی سے ہے۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ تعلیمات قرآن کریم اور احکام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں فلاح و کامیابی کے لئے کن اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے اور اللہ کے خاص بندوں کے اوصاف اور ان کی خصوصیات کیا ہیں؟

قرآن کریم کی مختلف آیات اور نبی کریم سے منقول متعدد ارشادات کی روشنی میں چند اوصاف بیان کئے جاتے ہیں جن کو اختیار کر کے بندۂ مومن فلاح و کامیابی کی منزل تک پہنچ سکتا ہے:

(الف) اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان اور ان کی اطاعت: فلاح و کامیابی کے حصول کے لئے سب سے بڑی بنیاد و اساس یہ ہے کہ انسان اللہ پر پختہ ایمان رکھتا ہو اور ہر شعبۂ زندگی میں اللہ کی اطاعت اور اس کے احکام کی فرمانبرداری کے لئے ہمہ وقت تیار رہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوٓا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ (۵۱)

(مسلمانوں کا قول جب ان کو (کسی مقدمہ میں) اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کریں، یہ ہے کہ وہ خوشی خوشی کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور اس کو مان لیا۔ اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔)

(ب) سورہ بقرہ کی ابتداء میں کچھ اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے:

۱۔ ایمان بالغیب۔

۲۔ نماز کا قیام۔

۳۔ اللہ کی طرف سے عطا کردہ رزق میں سے خرچ کرنا۔

۴۔ قرآن کریم سے قبل کی آسمانی کتب پر ایمان۔

۵۔ قرآن کریم پر ایمان۔

۶۔ آخرت کا یقین۔

ان اوصاف کا ذکر کرنے کے بعد ان لوگوں کے متعلق ارشاد فرمایا گیا:

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ○ (۸۲)

(یہ لوگ ہیں ٹھیک راہ پر، جو ان کے پروردگار کی طرف سے انہیں ملی ہے، اور یہ لوگ ہیں پورے کامیاب)۔

یعنی وہ فلاح و کامیابی جو تزکیۂ نفس کی بدولت حاصل ہوگی اس کے اثرات و ثمرات عملی اور ایمانی و اعتقادی زندگی پر مرتب ہوں گے۔

ج۔ سورۃ اعراف میں بھی فلاح و کامیابی حاصل کرنے والوں کے جو اوصاف بیان کئے گئے ہیں وہ حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ نبی کریمؐ کی اتباع و پیروی۔

۲۔ نبی کریمؐ کی حمایت۔

۳۔ نبی کریمؐ کی مدد۔

۴۔ نبی کریمؐ کی اتباع و پیروی۔

ان اوصاف کے حاملین کے متعلق بھی یہ بشارت دی گئی: أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ○ (۸۳)

د۔ سورۃ آل عمران میں ایک موقع پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو بھی فلاح و کامیابی پانے والوں کے اوصاف میں شمار کیا گیا۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ

عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (۸۴)

(تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے جو خیر کی طرف بلایا کریں نیک کام کرنے کو کہا کریں، بُرے کاموں سے روکا کریں اور ایسے ہی لوگ پورے کامیاب ہوں گے)۔

یعنی ایمان، عمل صالح، نبی کریم کی اتباع اور پیروی اور قرآن پر ایمان اور اس کی اتباع و پیروی ایسے نظریات و اعمال رکھنے والے شخص کو صرف اپنی ذاتی اصلاح تک اور صرف اپنے تزکیہ نفس تک محدود نہ رہنا چاہیئے بلکہ وہ دوسروں کو بھی نیکی اور بھلائی کی طرف بلائے اور برائی سے روکے۔

ھ۔ سورہ مومنون میں بھی کچھ اوصاف و خصائل بیان کئے گئے ہیں اور ان اوصاف کے حاملین کو قد افلح کے لفظ سے فلاح و کامیابی کی بشارت دی گئی ہے:

۱۔ وہ اہل ایمان جو اپنی نمازیں خشوع کے ساتھ ادا کرنے والے ہیں۔

۲۔ لغو باتوں اور فضول کاموں سے بچنے والے ہیں۔

۳۔ اپنے اعمال و اخلاق کا تزکیہ کرنے والے ہیں۔

۴۔ عزت و عصمت کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

۵۔ عہد و امانت کی پاسداری و حفاظت کرنے والے ہیں۔

۶۔ اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اللہ کی جانب سے فلاح و کامیابی جن اہلِ ایمان کے لئے مقدر کی گئی ہے وہ ان اوصاف و عادات کے مالک ہوں گے۔

و۔ فلاح و کامیابی پانے والوں کے سورہ الحشر میں کچھ مزید اوصاف ارشاد فرمائے گئے ہیں:

۱۔ ایسے فقراء و مہاجرین جو محض اللہ کی خوشنودی کے لئے اپنا گھر بار اور وطن ترک کر کے دارالاسلام کی طرف ہجرت کر جائیں۔

۲۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کی مدد کریں۔

۳۔ جن لوگوں کی زندگی میں صرف سچائی ہو گی۔

۴۔ انصار (جو پہلے سے دارالاسلام میں ہیں) مہاجرین سے دل سے محبت کرنے والے ہیں۔

۵۔ ایثار و قربانی کا مظاہرہ۔

۶۔ اپنے نفس کو بخل اور دیگر بد اخلاقیوں سے بچانے والے ہوں۔(۸۶)

نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا:

ان لکل عمل شرۃ ولکل شرۃ فترۃ فمن کانت فترتہ الی سنتی فقد افلح۔(۸۷)

(ہر عمل میں تیزی ہوتی ہے اور تیزی کے بعد سستی ہوتی ہے پس جس کی تیزی میری سنت کی جانب ہے وہ کامیاب ہوا)

یعنی جس کا عملی جذبہ تیزی سے اس کو نبی کریمؐ کی سنت کی طرف لے جانے والا ہو گا وہ شخص فلاح و کامیابی کے ثمرات سے بہرہ ور ہو گا۔ اسی طرح ایک اور موقع پر نبی کریمؐ نے ان اوصاف اور ان خصوصیات کا ذکر کیا جو فلاح و کامیابی حاصل کرنے والوں میں پائی جاتی ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

قد افلح من اخلص قلبہ للایمان وجعل قلبہ سلیما ولسانہ صادقا ونفسہ مطمئنۃ وخلیقتہ مستقیمۃ وجعل اذنہ مستمعۃ وعینہ ناظرۃ فاما الاذن فقمع والعین بمقرۃ لما یوعی القلب وقد افلح من جعل قلبہ واعیا (۸۸)

(بے شک کامیاب ہوا وہ شخص جس نے اپنے قلب کو خلوص ایمان سے بھرا،

اپنے قلب کو سیدھا رکھا' اپنی زبان کو سچا' اپنے نفس کو مطمئن' اپنے اخلاق کو پائیدار' اپنے کان کو غور سے سننے والا' اپنی آنکھ کو دیکھنے والی آنکھ بنایا پس کان ایک ذخیرہ ہوگا اور آنکھ ثابت کرنے والی ہے اس چیز کو جس کو قلب نے محفوظ کیا اور فلاح پائی اس شخص نے جس نے اپنے قلب کو زیادہ یاد رکھنے والا بنایا)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی میں اخلاص ایمان، قلب سلیم، سچی زبان، نفس مطمئن، پائیدار اخلاق حسنہ، حساس قوت سماعت ومشاہدہ اور یاد رکھنے والا قلب ودماغ یہ اوصاف ہیں جو فلاح وکامیابی حاصل کرنے والے کے اندر پائے جاتے ہیں

فلاح سے محرومی

جس طرح مذکورہ اوصاف کا موجود ہونا انسان کو فلاح وکامیابی سے ہمکنار کرتا ہے اسی طرح بعض اوصاف ہیں کہ ان سے پاک ہونا بھی فلاح وکامیابی کے لئے ضروری ہے قرآن حکیم اور نبی عظیم نے مختلف مواقع ومقامات پر بعض صفتوں پر انسان کے لئے فلاح وکامیابی سے محرومی کی وعید سنائی۔ وہ اوصاف حسب ذیل ہیں :

(۱) **کفر وشرک** ۔ کفر وشرک ایسا گناہ ہے کہ جس کی سزا دائمی اور ابدی ہے ۔اسی بنا پر کفر اختیار کرنے والوں کو فلاح وکامیابی سے محروم کر دیا گیا۔ ارشاد الٰہی ہے :

وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللهِ إِلٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ○ (۸۹)

(اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی بھی اور معبود کی عبادت کرے کہ جس کے معبود ہونے پر اس کے بارے میں کوئی دلیل بھی نہیں سو اس کا حساب اسی رب کے ہاں ہوگا بیشک اللہ تعالیٰ کافر کو کبھی فلاح سے ہمکنار نہیں کرتا)

معلوم ہوا کہ فلاح وکامیابی حاصل کرنے والے ہمیشہ کفر کی گندگیوں اور شرک کی نجاستوں سے

پاک رہتے ہیں۔

(۲) آیاتِ الٰہی کی تکذیب اور اللہ پر بہتان

اللہ کی طرف سے وارد آیات اور اس کی قدرت کی عظیم نشانیوں کی تکذیب بھی انسان کو فلاح و کامیابی سے محروم کرنے والی ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں،

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (۹۰)

(اور اس سے زیادہ کون بے انصاف ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹے بہتان باندھے یا اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھوٹا بتلائے ایسے بے انصافوں کو کبھی کامیابی نہیں ہوگی۔"

اسی طرح ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ (۹۱)

(آپ کہہ دیجئے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ افترا کرتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوں گے)

اللہ پر جھوٹ بہتان باندھنے کا مفہوم اللہ کی کتاب کی من مانی تاویلات کرنا، اللہ کے رسول کا انکار کرنا اور ان پر مختلف قسم کے الزامات عائد کرنا ہے لہٰذا ان صفات کا حامل شخص بھی فلاح و کامیابی سے محروم رہے گا۔

اسی طرح ارتکابِ ظلم، جرم اور سحر و جادو کے مرتکب ہونے والوں کو بھی فلاح و کامیابی سے محروم بتایا گیا ہے۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ فلاح و کامیابی حاصل کرنے والے مذکورہ صفاتِ حسنہ سے متصف اور مذکورہ اخلاقِ رذیلہ سے پاک ہوتے ہیں۔ اور یہ وہی

فوز و فلاح ہے جو تزکیہ نفس کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ نفس مطمئنہ کو حق تعالیٰ جل شانہ' نے اپنے خاص بندوں میں شامل ہونے کا حکم فرمایا ہے۔ لہٰذا اب اللہ کے خاص بندوں کے اوصاف اور ان کی خصوصیات پر اختصار کے ساتھ بحث کی جائے گی۔

۱۔ اللہ سے دوستی

اللہ کے خاص بندوں کی سب سے پہلی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ کے محبوب اور اس کے دوست ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دوستی و محبت کا ایک سمندر ان کی زندگیوں میں موجزن نظر آتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ؗ (۹۲)

(آگاہ ہو جاؤ اللہ کے ان دوستوں کے لئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہی کوئی غم)۔

یعنی یہ وہ اللہ کے خاص بندے ہیں جنہوں نے اللہ سے دوستی و محبت کو اپنا شعار بنایا۔ اللہ کی طرف سے ان کو سکون و اطمینان کے حاصل ہونے اور ہر قسم کے خوف و غم سے نجات کی بشارت دی گئی ہے۔

۲۔ طہارت و پاکیزگی

اللہ کے خاص بندے طہارت و پاکیزگی اختیار کرتے ہیں اور یہ طہارت ان کے مکانوں میں بھی ہوتی ہے، ان کے بدن بھی صاف ہوتے ہیں، ان کے کپڑے بھی، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کے عقائد و نظریات اور اخلاق و اعمال بھی پاکیزہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ اہل قبا جنہوں نے مسجد تقویٰ کی تعمیر کی۔ اس تقویٰ کے ساتھ ظاہری پاکیزگی سے بھی

تصف تھے :

فِیۡهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوۡنَ اَنۡ یَّتَطَهَّرُوۡا ؕ (۹۳)

(اس میں (قبا میں) ایسے آدمی بھی ہیں جو خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں)۔

ظاہر ہے کہ ایسا انسان جو اپنے بدن اور کپڑوں پر نجاست برداشت نہیں کرتا اور جب طہارت و پاکیزگی حاصل کرتا ہے، وہ اپنے نظریات، عقائد، خیالات اور اعمال میں نجاست کس طرح قبول کر سکتا ہے۔

۳۔ ذکر الٰہی میں مشغولیت

اللہ کے خاص بندوں کی ایک صفت و خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ ہر لحظہ و ہر آن اللہ کو یاد رکھتے ہیں۔ ان کی زبانیں ذکر الٰہی سے تر رہتی ہیں اور اپنے تمام تر کاروبار زندگی و احکامِ الٰہی کی روشنی میں سرانجام دیتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلۡهِیۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیۡعٌ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِیۡتَآءِ الزَّکٰوةِ ۪ۙ (۹۴)

(یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ کی یاد سے اور بالخصوص نماز و زکوٰۃ سے نہ خرید غفلت میں ڈالتی ہے اور نہ فروخت)

یہی وہ لوگ ہیں جو نہ صرف خود اپنے دلوں کو اللہ کے نور سے منور رکھے ہوئے ہیں بلکہ ان کی رفاقت و صحبت سے دوسرے افراد بھی نور علی نور کا مصداق بن جاتے ہیں۔

۴۔ شیطان کے حملوں سے حفاظت

بندہ کا اللہ سے جس قدر مضبوط و محکم تعلق ہوگا یہ بندہ شیطان کے حملوں اور اس کے وسوسوں سے اسی قدر محفوظ رہے گا۔ چنانچہ ابلیس کو جب بارگاہِ الٰہی سے نکالا گیا اور اس

کی درخواست پر اس کو اجازت وقوت دی گئی کہ وہ اولادِ آدم کو اللہ سے باغی اور سرکش کر سکے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں تجھ کو یہ اجازت وقوت دیتا ہوں لیکن ایک بات یاد رکھنا:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ۔ (۹۵)

(میرے نیک بندوں پر تیرا ذرا بھی بس نہ چلے گا۔)

اللہ کے یہ مطیع اور فرمانبردار بندے شیطان کے حملوں سے محفوظ رہتے ہیں اور شیطان باوجود کوشش کے اپنا زور ان لوگوں پر قائم کرنے سے قاصر رہتا ہے۔

سورۃ فرقان، جس کی ایک ایک آیت حق اور باطل میں فرق و امتیاز قائم کرنے میں اپنا امتیازی مقام رکھتی ہے، اسی سورۃ میں ان امتیازات کو بیان کرنے کے بعد اللہ کے خاص بندوں کے کچھ اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔ اور بتایا گیا ہے کہ اللہ کے یہ بندے ان اوصاف سے متصف ہوتے ہیں:

۱۔ زمین میں عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں۔

۲۔ جب ان سے جاہل لوگ جہالت کی بات کرتے ہیں تو یہ لوگ رفع شر کی بات کرتے ہیں۔

۳۔ راتوں کو نماز میں مصروف رہتے ہیں۔

۴۔ عذاب جہنم سے نجات مانگتے ہیں۔

۵۔ بخل اور فضول خرچی سے پرہیز کرتے ہیں اور درمیانی راستہ اختیار کرتے ہیں۔

۶۔ اللہ کے سوا کسی کی پرستش نہیں کرتے۔

۷۔ ناحق کسی کو قتل نہیں کرتے۔

۸۔ زنا کے مرتکب نہیں ہوتے۔

۹۔ بیہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے۔

۱۰۔ اللہ کے احکام کو بغور سنتے ہیں اور ان پر عمل کی کوشش کرتے ہیں۔

۱۱۔ اپنے اہل وعیال کے لئے راحت وسکون کا سامان ہیں اور اللہ سے بھی اسی کے طلب گار ہیں۔

۱۲۔ اللہ سے اہل تقوٰی کی امارت طلب کرتے ہیں۔ (۹۶)

یہ وہ اوصاف وکمالات ہیں جن سے اللہ کے خاص بندے متصف ہوتے ہیں یہ ان بندوں کے اوصاف ہیں جن کو نفس مطمئنہ حاصل ہو گیا اور اس کے نتیجہ میں انہیں اللہ نے اپنے خاص بندوں میں شمار کر لیا۔ انہیں بندگان خدا کو اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوتی ہے اور یہی بندے جنت کے باغات میں اللہ کی مہمانی کی سعادت حاصل کرنے والے ہیں۔

فلاح وکامیابی اور عباد اللہ کے اوصاف پر اس بحث سے یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ فلاح وکامیابی حاصل کرنے والے بندگان خدا کو، جو تزکیہ نفس اور نفس مطمئنہ کی دولت سے بہرہ ور ہوئے ہیں حسبِ ذیل صفات کا مالک ہونا چاہیئے:

۱۔ اللہ، اس کے رسولؐ، روزِ آخرت، قرآن کریم اور سابق آسمانی کتب پر کامل اور پختہ ایمان رکھنا۔

۲۔ اللہ کے احکام اور نبی کریمؐ کی تعلیمات کی مکمل اور پوری اطاعت کرنا۔

۳۔ نماز کو اپنی زندگی میں اہتمام اور پابندی کے ساتھ قائم کرنا اور اسے توجہ انہماک اور خشوع کے ساتھ ادا کرنا۔

۴۔ اللہ کی طرف سے جو رزق عطا کیا گیا ہے اس کو زکوٰۃ اور صدقات و خیرات کی صورت میں خرچ کرنا۔

۵۔ ہر مرحلہ پر اپنی ایمانی غیرت کو بیدار رکھنا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی، آپ کے

دین اور آپ کے طریقہ زندگی کی باطل فتنوں سے حفاظت کرنا، ان کی حمایت کو اپنا شعار بنانا اور اپنے قول و فعل سے اس نظام زندگی کی مدد کرنا۔

۶۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔ اس کو اپنی زندگی میں اختیار کرنا اور برائی کے خلاف امکانی حد تک جہاد کرنا۔

۷۔ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا،

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَۃُ وَلَا السَّیِّئَۃُ ۰ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (۹۰)

۔ (اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی آپ نیک برتاؤ سے بدی کا تدارک کیجئے)

برائی اور بھلائی میں امتیاز قائم رکھنا، برائی کو برائی اور بھلائی کو بھلائی سمجھنا اور برائی کی مدافعت ایسے طریقہ سے کرنا جو بہتر ہو یعنی نفس کی یہ کیفیت ہو جائے کہ وہ برائی کے بدلہ اور مدافعت میں بھی نرمی اور بھلائی کا اسلوب اختیار کرے۔

۸۔ لغو اور فضول کام جن کا دنیا و آخرت میں کوئی فائدہ و ثمرہ نہیں، ان سے گریز اور پرہیز کرنا۔ ایسے فضول کام خود کرنا اور نہ ہی ایسے امور میں اپنے آپ کو شریک کرنا۔

۹۔ عزت و عصمت کی حفاظت کرنا اور اس سلسلہ میں جو حدود اللہ کی طرف سے قائم کی گئی ہیں ان کو برقرار رکھنا۔

۱۰۔ عہد و امانت کی حفاظت کرنا۔ وعدہ کو پورا کرنا اور امانت کو اس کے اہل کے سپرد کرنا۔

۱۱۔ اگر دار الکفر میں دین اسلام کی بنیادی تعلیمات پر بھی عمل ناممکن ہو جائے تو اللہ کی رضا اور خوشنودی کے حصول کی خاطر اپنے وطن مالوف کو خیرباد کہہ کر دار الاسلام میں آباد ہو جانا۔

۱۲۔ ہمیشہ اپنی زندگی میں، اپنے قول و فعل میں اور اعمال میں صدق اور سچائی کو اختیار کرنا۔

۱۳۔ ہر دوسرے مومن بھائی کے حق میں ایثار و قربانی کا مظاہرہ کرنا خصوصاً ان مومنین کے حق میں جو اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام پر عمل کی خاطر اپنا وطن چھوڑ کر یہاں آ کر آباد ہو جائیں۔

۱۴۔ ہر معاملہ میں راہ اعتدال کو اختیار کرنا اور کسی بھی مرحلہ پر افراط و تفریط سے کام نہ لینا حتیٰ کہ نیکیوں اور عبادتوں کے معاملہ میں بھی اعتدال کی راہ اختیار کرنا۔

۱۵۔ اپنے اذکار و نظریات، اقوال و اعمال میں اخلاص پیدا کرنا اور ہر امر خیر کو خالصتاً اللہ کے لئے سرانجام دینا۔

۱۶۔ اپنے ذہن و دماغ کو فکری و اعتقادی کجی سے محفوظ رکھنا اور صرف صحیح اور سلیم فکر کو اپنے ذہن و دماغ میں جگہ دینا۔

۱۷۔ اپنے اخلاق و کردار میں استقامت اور مستقل مزاجی پیدا کرنا، اللہ اور اس کے بندوں کے جو حقوق اس کے ذمہ واجب ہیں، ان حقوق کی ادائیگی میں استقامت کا مظاہرہ کرنا۔

تزکیۂ نفس کے نتیجہ میں مذکورہ اخلاقِ حسنہ انسانی زندگی میں پیدا ہوتے ہیں جس طرح ان امور کا پایا جانا تزکیۂ نفس کی علامت ہے، اسی طرح بعض امور سے گریز اور بعض صفات سے پرہیز بھی تزکیہ نفس کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے۔ ان میں کچھ تو مذکورہ اوصاف کے ضمن میں بیان ہوئیں مزید حسبِ ذیل الفاظ میں بیان کی جا سکتی ہیں:

۱۔ کفر و معصیت سے بچنا۔ کفر کی گندگی اور معصیت و نافرمانی کے وبال سے اپنے

آپ کو محفوظ رکھے۔ گناہ کا بار بار ارتکاب قلب کے اطمینان اور ذہن کے سکون کو ختم کرنے والا ہوتا ہے اس لئے ذہن و دماغ کا سکون اور نفس مطمئنہ رکھنے والا شخص امکانی حد تک گناہ سے بچتا ہے۔ اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس پر معافی طلب کرنا نہ کہ اس کی تاویلات کرنا اور اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش کرنا۔

۲۔ احکام الٰہی اور آیات ربانی کی تکذیب نہ کرنا بلکہ ان چیزوں سے سبق عبرت حاصل کرکے اپنی عملی زندگی کے رُخ کو درست کرنا۔

۳۔ ہر قسم کے ظلم اور ہر نوع کی زیادتی سے بچنا حتیٰ کہ اس بات کا بھی خیال رکھنا کہ اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے کسی مسلمان کو ادنیٰ سی بھی اذیت یا تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

۴۔ معاشرتی طور پر حسن اخلاق کا نمونہ ہونا اور کسی دوسرے شخص کا مذاق اڑانا نہ ہی طعن و تشنیع کی کوئی بات کرنا۔ ارشاد الٰہی ہے :

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ ٥ (٩٨)

(اے ایمان والو! نہ مردوں کو مردوں کا مذاق اڑانا چاہیئے ہو سکتا ہے کہ وہ خُدا کے نزدیک ان سے بہتر ہوں)

اسی طرح کسی دوسرے مسلمان کی عیب جوئی، غیبت اور اس کو حقارت آمیز الفاظ سے یاد نہ کرنا۔ ارشاد فرمایا :

وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ٥ (٩٩)

(اور سراغ مت لگایا کرو اور کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرو)

کیونکہ یہ سب اوصاف نفس کی گندگی کی علامت ہیں اور وہ بندہ مومن جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا ہے، اسے ان تمام نجاستوں سے بھی بچنا چاہیئے۔

تزکیہ نفس کی شرائط، طریق کار اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے ان اوصاف سے اصولی طور پہ دو نتائج مرتب ہوتے ہیں:

۱۔ تزکیہ نفس کے حصول کے لئے ضروری اوصاف میں جہاں بندہ اللہ سے اپنے تعلق اور اپنی محبت کو مستحکم اور پائیدار کرتا ہے وہاں دوسرے مسلمانوں، انسانوں حتیٰ کہ تمام مخلوقات سے اپنے تعلق اور اپنی محبت کو استوار کرتا ہے۔ لہٰذا تزکیہ نفس ہر مسلمان کو نہ صرف اسی ماحول اور معاشرہ کے اندر رہ کر حاصل کرنا ہوگا بلکہ اس ماحول و معاشرہ کی پاکیزگی کو اپنا نصب العین بنانا ہوگا۔

۲۔ ہر مسلمان کو تزکیہ نفس کے ضمن میں بیان کئے جانے والے اوصاف اپنے اندر پیدا کرنا ضروری ہیں۔ یہ اوصاف یا تزکیہ نفس کا عمل کسی خاص طبقہ تک محدود کر دینا یا محدود سمجھ لینا کسی طرح بھی درست نہیں۔ اس ضمن میں ہر مسلمان کو بار بار خود احتسابی کے عمل سے گزرنا چاہیئے اور اسے یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس کے اندر ان اوصاف میں سے کس قدر پائے جاتے ہیں، مزید اوصاف پیدا کرنے اور موجود اوصاف میں نکھار پیدا کرنے کے لئے کیا اقدامات کرنے ضروری ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ اس کے اندر ایمان و طاعت کی محبت اسے اعمال خیر کا خوگر بنائے گی اور کفر و معصیت سے نفرت اسے بد اخلاقی اور تمام برے اعمال سے محفوظ رکھے گی۔ اور وہ شخص ایمان و طاعت کا پیکر ایک ایسا انسان ہوگا جس پہ ساری انسانیت کو فخر ہوگا۔

تزکیہ نفس، تہذیب اخلاق اور اطمینان نفس کا سرچشمہ نبی کریمؐ کی ذات اقدس ہے۔ اس ذات اقدس سے اپنا ذہنی، اخلاقی اور عملی تعلق قائم کر کے ہی تزکیہ نفس کی منزل کو حاصل کر سکتے ہیں جس کے لئے خداوند قدوس نے اپنے انبیاء کی بعثت فرمائی۔ اس مقصد کی تکمیل چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہونی تھی اس لئے اپنے خلیل حضرت ابراہیمؑ سے

آپ کی بعثت اور مقاصد بعثت کی دعا کرائی اور نبی کریمؐ کی بعثت کے ساتھ ہی ان کے کام کی تکمیل ہوئی۔ آج بھی امت اپنے روابط نبی کریمؐ سے قائم کرے تو تزکیہ کی منزل حاصل کر سکتی ہے۔ قرآن کریم نے اصحاب کہف کا واقعہ بیان کیا اور اس واقعہ کے ضمن میں اس کتے کا بھی ذکر کیا گیا جو ان کے ساتھ وابستہ تھا۔ اسی لئے قرآن کریم نے ان کی تعداد گنواتے ہوئے ان کے کتے کا بھی ذکر کیا :

سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۔ (۱۰۰)

حالانکہ وہ درندہ اور جانور تھا۔ جب کتا محض ساتھ ہونے اور ربط و ارتباط کی بنا پر ان کے ساتھ شمار ہونے لگا تو انسان اشرف المخلوقات، نبی کریمؐ کا امتی ایمان و تقویٰ کے ساتھ جب اپنی زندگی کا رابطہ سرور کائنات سے وابستہ کرے گا تو تزکیہ و طہارت کے بلند مقام تک نہ پہنچ سکے گا؟

مزید یہ عملی تعلق اور یہ اخلاقی نسبت اسے عظمتوں اور بلندیوں پر پہنچانے والے ہوں گے مٹی اگر پھولوں سے وابستہ ہو جائے تو وہ بھی مہکنے لگتی ہے اور جب اس سے پوچھا جائے کہ اے خاک تجھ میں یہ مہک اور خوشبو کہاں سے آئی تو وہ جواب دے گی۔

یکے گفت من گلے ناچیز بودم
و لیکن مدتے با گل نشستم
جمال ہم نشین در من اثر کردم
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

(میں تو ایک بے حقیقت چیز ہوں لیکن ایک مدت تک پھول کی صحبت میں رہنا نصیب ہوا، اس ہم نشینی کے جمال نے مجھ میں بھی اثر کیا ورنہ میری حیثیت کیا ہے!)

اپنی گذارشات نبی کریم کی اس دعا پر ختم کرتا ہوں جو تزکیہ نفس کی بنیاد و اساس ہے:

اللھم حبب الینا الایمان و زینہ فی قلوبنا وکرہ الینا الکفرو

الفسوق والعصیان

(اے اللہ! تو ہمیں ایمان سے محبت عطا فرما اور اسے ہمارے دلوں میں

مزین کر اور کفر، نافرمانی اور گناہ سے نفرت ہمارے دلوں میں پیدا

فرما)۔ آمین!

حواشی

۱۔ ۲۔ البقرہ۔ ۱۲۹

۲۔ ۱۲۔ یوسف۔ ۳۱

۳۔ ۵۔ المائدہ۔ ۹۷

۴۔ ۳۔ آل عمران۔ ۹۶

۵۔ ۲۵۔ الفرقان۔ ۴۴

۶۔ ۳۱۔ لقمان۔ ۲۰

۷۔ راغب اصفہانی، امام۔ مفردات فی غریب القرآن۔ بیروت، دارالمعرفہ، ص ۲۱۳ بذیل مادہ

۸۔ ایضاً۔ ص ۵۰۱

۹۔ ایضاً۔ ص ۲۰۵

۱۰۔ ابن عبدالبر۔ التمہید

۱۱۔ ۹۵۔ التین۔ ۶

۱۲۔ ۱۰۳۔ العصر۔ ۳

۱۳۔ ۳۰۔ الروم۔ ۳۰

۱۴۔ ۶۶۔ التحریم۔ ۶

۱۵۔ ۵۱۔ الذاریات۔ ۵۶

۱۶۔ ۹۱۔ الشمس۔ ۸

۱۷۔ ۵۱۔ الذاریات۔ ۴۸

۱۸۔ اس کی وضاحت نبی کریمؐ کے ایک ارشاد سے ہوتی ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ اللہ نے زمین ہفتہ کو، پہاڑ اتوار کو، درخت پیر کو، لوہا وغیرہ منگل کو، روشنی بدھ کو، جانور جمعرات کو اور جمعہ کے روز عصر کے بعد آدم کو تخلیق کیا دیکھئے مسلم بن الحجاج القشیری، الجامع الصحیح. کراچی۔ اصح المطابع ج ۲۔ ص ۳۷۱۔ باب صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار، کتاب المنافقین۔

۱۹۔ ۷۔ الاعراف۔ ۱۲

۲۰۔ ۱۸۔ الکہف۔ ۵۰

۲۱۔ ۶۶۔ التحریم۔ ۸

۲۲۔ ۲۔ البقرہ۔ ۳۰

۲۳۔ ۵۷۔ الحدید۔ ۲۷

۲۴۔ ۴۸۔ الفتح۔ ۲۹

۲۵۔ ۷۔ الاعراف۔ ۵۴

۲۶۔ سید قطب، فی ظلال القرآن، بیروت۔ داراحیاء، ۱۹۶۶ء۔ ج ۳۔ جزو۔ ۸ ص ۵۲۵

۲۷۔ آلوسی شہاب الدین سید محمود البغدادی۔ بیروت، داراحیاء ج ۸۔ ص ۱۳۴

۲۸- غزالی، محمد بن محمد۔ احیاء علوم الدین۔ بیروت، دار المعرفۃ ج ۳، ص ۶۱

۲۹- ۴- النساء۔ ۱۲۸

۳۰- ۲- البقرہ۔ ۱۰۹

۳۱- ۲- البقرہ۔ ۱۳۰

۳۲- ۴- النساء۔ ۷۹

۳۳- ۱۲- یوسف۔ ۵۳

۳۴- رازی، فخر الدین۔ التفسیر الکبیر، طہران۔ دار الکتب۔ ج ۱۸، ص ۱۵۸، تفسیر آیات مذکور

۳۵- ثناء اللہ پانی پتی، قاضی۔ التفسیر المظہری۔ کوئٹہ، بلوچستان بک ڈپو، ۱۹۸۳۔ ج ۵، ص ۱۷۱

۳۶- غزالی، احیاء علوم۔ ج ۳۔ ص ۴

۳۷- زبیدی، محمد بن الحسینی۔ اتحاف السادۃ المتقین، بیروت، دار الکتب، ج ۹، ص ۳۴

۳۸- طبرانی۔ معجم اوسط، بحوالہ غزالی احیاء علوم الدین۔ ج ۱۷ ص ۸۳

۳۹- غزالی کتاب مذکور۔ ج ۳۔ ص ۶۷

۴۰- ۲۴- النور۔ ۴۰

۴۱- ۲- البقرہ۔ ۱۰۹

۴۲- ۴- النساء ۲۸

۴۳- ۲- البقرہ۔ ۱۳۰

۴۴- ایضاً۔ ۲۶۹

۴۵- ۳- آل عمران۔ ۱۹۰

۲۶- ۳۹- الزمر- ۱۸

۲۷- ۱۷- الاسراء ۲۹

۲۸- راغب اصفہانی۔ مفردات۔ ص ۴۵۹

۲۹- ایضاً۔ ص ۴۶۰

۳۰- آلوسی، سید محمود البغدادی، روح المعانی۔ بیروت۔ دار احیاء، ج ۲۹۔ ص ۱۳۶

۳۱- ایضاً۔ ص ۱۳۶، ۱۳۷

۳۲- غزالی۔ احیاء علوم۔ ج ۳۔ ص ۴

۳۳- اشارہ ہے ایک حدیث کی جانب جسے امام مسلم نے تخریج کیا ہے۔ دیکھئے مسلم۔ الجامع الصحیح۔ ج ۱۔ ص ۵۱ بیان کون النہی عن المنکر من الایمان کتاب الایمان۔

۳۴- ۲- البقرہ- ۲۰۷

۳۵- احمد بن حنبل، مسند الامام احمد بن حنبل۔ بیروت۔ المکتب الاسلامی، ج ۲ ص ۱۹۶۔

۵۶- ۲- البقرہ- ۲۱۹

۵۷- ۴- النساء- ۴۳

۵۸- ۵- المائدہ- ۹۰

۵۹- راغب۔ مفردات۔ ص ۳۰۷۔ بذیل مادہ لحن

۶۰- رازی، تفسیر کبیر۔ ج ۳۱، ص ۱۷۶

۶۱- آلوسی، روح المعانی۔ ج ۳۰۔ ص ۱۳۰

۶۲- ابن کثیر۔ تفسیر القرآن العظیم۔ ج ۴۔ ص ۵۱۰

۶۳- غزالی، احیاء علوم۔ ج ۳۔ ص ۴

۶۴۔ بخاری۔الجامع الصحیح ۔ ج ۱۔ص ۷ ، باب حلاوۃ الایمان کتاب الایمان و باب حب رسول من الایمان کتاب الایمان

۶۵۔ یہ تمام تفصیل امام بخاری نے نقل کی ہے۔ دیکھئے بخاری۔کتاب مذکور، ج ۲۔ ص ۶۲۷، ۶۲۸ باب وفد بنی حنیفہ۔کتاب المغازی

۶۶۔ ایضاً۔ باب من کرہ ان یعود فی الکفر۔کتاب الایمان

۶۷۔ ایضاً۔ ج ۱ ص ۱۱۔ باب احب الدین الی اللہ ادومہ ۔کتاب الایمان

۶۸۔ ایضاً۔ ج ۱۔ص ۱۲۔ باب سوال جبریل عن الایمان ۔ کتاب الایمان

۶۹۔ ایضاً۔ ج ۱ ص ۹۱ ۔ باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلوٰۃ ۔کتاب الاذان

۷۰۔ ایضاً۔ ج ۱ ۔ص ۳۲ ۔ باب الزکوٰۃ من الایمان کتاب الایمان

۷۱۔ ایضاً۔ ج ۱۔ ص ۹ ۔ باب افشاء السلام من الایمان، کتاب الایمان

۷۲۔ اشارہ ہے ان احادیث کی جانب جنہیں امام بخاری نے نقل کیا ہے۔ دیکھئے بخاری، الجامع الصحیح ۔ جلد اول

(ا) ص ۹۔ باب افشاء السلام کتاب الایمان

(ب) ص ۶۔ باب من الایمان ان یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ ۔ کتاب الایمان

(ج) ص ۶۔ باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ ۔ کتاب الایمان

۷۳۔ ۱۷۔ الاسراء ۔ ۱۴

۷۴۔ مسلم، الجامع الصحیح، ج ۱۔ ص ۳۱ باب السوال عن ارکان الاسلام ۔کتاب الایمان

۷۵۔ بخاری، الجامع الصحیح ۔ ج ۱ ۔ص ۶ ۔ باب قول النبی بنی الاسلام علی خمس ۔کتاب الایمان

۷۶۔ ۱۳۔ الرعد ۔ ۲۷، ۲۸

۷۷۔ ۹۱۔ الشمس ۔ ۹

۷۸۔ ۲۰۔ طٰہٰ ۔ ۷۵

۷۹۔ ۸۹۔ الفجر ۔ ۲۷ تا ۳۰

۸۰۔ ۳۹۔ الزمر ۔ ۵۴

۸۱۔ ۲۴۔ النور ۔ ۵۱

۸۲۔ ۲۔ البقرہ ۔ ۵

۸۳۔ ۷۔ الاعراف ۔ ۱۵۷

۸۴۔ ۳۔ آل عمران ۔ ۱۰۴

۸۵۔ ۲۳۔ المومنون ۔ ۱ تا ۹

۸۶۔ ۵۹۔ الحشر ۔ ۹

۸۷۔ احمد بن حنبل ۔ مسند ۔ ج ۲ ۔ص ۱۸۸

۸۸۔ ایضاً ۔ ج ۵ ۔ ص ۱۳۷

۸۹۔ ۲۳۔ المومنون ۔ ۱۱۷

۹۰۔ ۶۔ الانعام ۔ ۲۱

۹۱۔ ۱۰۔ یونس ۔ ۶۹

۹۲۔ ایضاً ۔ ۶۲

۹۳۔ ۹۔ التوبہ۔ ۱۰۸

۹۴۔ ۲۴۔ النور۔ ۳۷

۹۵۔ ۱۵۔ الحجر۔ ۴۲

۹۶۔ ۲۵۔ الفرقان۔ ۶۳تا ۷۴

۹۷۔ ۴۱۔ حٰم السجدۃ۔ ۳۴

۹۸۔ ۴۹۔ الحجرات۔ ۱۱

۹۹۔ ایضاً۔ ۱۲

۱۰۰۔ ۱۸۔ الکھف۔ ۲۲

دعوۃ اکیڈمی کے اغراض و مقاصد

- دعوت و تبلیغ کے میدان میں تعلیمی تربیتی، اور تحقیقی پروگراموں کی منصوبہ بندی کرنا اور انہیں فروغ دینا۔
- مساجد کے ائمہ اور دیگر شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کے لیے تربیتی پروگرام تیار کرنا۔
- دعوت و تبلیغ اور تربیت ائمہ کے پروگرام کا لائحہ عمل اور طریق کار وضع کرنا۔
- دعوتی میدان میں اسلامی لٹریچر کی تیاری اور اس کو پھیلانے کیلئے مناسب منصوبہ بندی۔
- دعوتی نقطہ نظر سے سمعی و بصری پروگرام تیار کرنا۔
- ملک کے اندر اور باہر دعوت اسلامی کے مقاصد رکھنے والے دیگر اداروں کے ساتھ تعاون اور رابطہ۔
- خط و کتابت کے ذریعہ عوام الناس تک دین کی دعوت پہنچانا۔
- دعوت و تبلیغ کا ایک بین الاقوامی معلوماتی مرکز قائم کرنا۔
- اکیڈمی کے مقاصد کی تکمیل کے لیے دعوتی کتب، رپورٹیں، تعلیمی جائزوں اور دیگر ایسے مواد کی اشاعت کا اہتمام کرنا جو دعوتی کام میں ممد و معاون ہو۔
- اکیڈمی کے پروگرام کو آگے بڑھانے کے لیے علاقائی مراکز قائم کرنا۔

دعوۃ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی ○ اسلام اباد

پوسٹ بکس نمبر ۱۴۸۵، فون نمبر